عظمتِ علم و علماء
مرتب
مولانا صادق صاحب قاسمی خیرآبادی
استاذ جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور سورت
ناشر
بزمِ حقانی
جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور سورت گجرات

بَلِّغوا عَنِّي وَلَو آية (الحديث)

عظمتِ علم وعلماء

مرتب

مولانا صادق صاحب قاسمی خیرآبادی
(استاذ جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور سورت گجرات)

ناشر

بزمِ حقانی جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور، سورت، گجرات

پن کوڈ ۳۹۴۱۵۰

نامِ کتاب: عظمتِ علم وعلماء

مرتب: مولانا صادق صاحب قاسمی خیرآبادی زید مجدہٗ

زیرِاہتمام: مولانا عمر فاروق صاحب قاسمی کاوی

ناشر: بزمِ حقانی، جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور

کمپوزنگ: طلبۂ عربی ششم ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

سیٹنگ: مولانا بدر عالم صاحب قاسمی مدھوبنی

سنِ اشاعت: ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

ملنے کے پتے

مکتبہ یوسفیہ جامعہ حقانیہ کٹھور، سورت، گجرات۔

پن کوڈ: ۳۹۴۱۵۰

فون نمبر: ۹۹۰۴۰۷۲۸۶۶

مکتبہ یوسفیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی

فہرست

تقریظ

پیر طریقت حضرت مولانا قاری رشید احمد صاحب اجمیری دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ راندیر سورت

اربعینات یعنی چہل حدیث جمع کرنے اور امت تک پہنچانے کا حضرات علماء ومحدثین کرام کا ہر زمانے میں معمول رہا ہے۔ ابن حجر عسقلانیؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ جیسے اساطینِ امت نے اربعینات مختلف موضوعات کو سامنے رکھ کر تحریر فرمائیں۔

بیقہی شریف میں حضرتِ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ کی چالیس احادیث یاد کرنے والے کو شفاعتِ رسول کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اس امید کو سامنے رکھ کر محدثین نے مختلف اربعینات جمع فرمائی ہیں اسی بنیاد پر حضرت مولانا صادق صاحب نے علمِ دین کے موضوع کو سامنے رکھ کر صادق ومصدوق ﷺ کے چالیس ارشادات جمع فرمائے ہیں، حفظ کرنے والوں کے ساتھ جمع کر کے امت تک پہنچانے والے بھی اس میں داخل ہیں۔

احادیث تحریر فرمائی تو حوالہ جات بھی درج فرمائے ہیں نہایت سلیس اور آسان ترجمہ بھی ارقام فرمایا ہے اور ہر حدیث شریف کی مناسب تشریح بھی فرمادی ہے، تاکہ طالب کو اور قاری کو اس سلسلے میں تشنگی کا احساس نہ رہے، جستہ جستہ مقامات پر نظر ڈالنے کے بعد دل

مطمئن ہوا کہ یہ تالیف ان شاء اللہ مستفیدین کے لیے مفید و نافع رہے گی اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزاءِ خیر عطا فرمائے اور قارئین کو اس سے استفادہ کی سعادت حاصل ہو۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

احقر العباد:

(حضرت مولانا قاری) رشید احمد اجمیری

(شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ راندیر)

۲۰۱۰/۳/۳ء

باسمہٖ تعالیٰ

اپنی بات........

مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کرنے کے دوران، جب رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیثِ مبارک (مَنْ حَفِظَ علی اُمَّتِی اَربَعِینَ حَدِیْثًا فِیْ اَمْرِ دِیْنِهَا بَعَثَهُ اللہ فقیْهًا وَ کُنْتُ لَهٗ یَوْمَ القِیَامَةِ شَافِعًا وَّشَهِیْدًا) نظر سے گذری تو فورًا من جانب اللہ دل کے اندر یہ داعیہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ رسول اللہ ﷺ کی اس بشارتِ عظمیٰ کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور اکابرینِ امت کی تقلید کرتے ہوئے عظمتِ علم وعلما سے متعلق چالیس احادیث کا مجموعہ مع ترجمہ ومختصر تشریح آسان اور سہل انداز میں ترتیب دے کر عوام الناس کی نفع رسانی کی غرض سے منظرِ عام پر لایا جائے ممکن ہے اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے اس معمولی عمل کے طفیل میں نبی اکرم ﷺ کی عظیم بشارت سے نواز دے کیوں کہ مؤمن کے لیے اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدس میدانِ محشر میں شفاعت کی ذمہ داری لے لے اور اس کے ایمان کی گواہی دے کر ابدی کامیابی سے ہم کنار کردے اور اتنی عظیم کامیابی صرف چالیس احادیث یاد کرکے یا صفحۂ قرطاس پر تحریر کرکے لوگوں تک پہنچانے پر موقوف ہے اگر دیکھا جائے تو یہ لہو لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کے مترادف ہے، چناں چہ اپنی کم علمی اور ناقص استعداد کے باوجود محض اللہ کی توفیق سے ” اَلسَّعیُ مِنَّا وَالإِتْمَامُ إِلیٰ اللّٰهِ “ کو پیشِ نظر رکھتے

ہوئے متعدد کتابوں کی مراجعت کی مدد سے ترتیب دینا شروع کردیا اور شدہ شدہ علم و علما سے متعلق چالیس احادیث کا مجموعہ مع ترجمہ وتشریح بحمداللہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

اس موقعہ پر میں اپنے کرم فرما برادرِ مکرم مولانا بدر عالم صاحب قاسمی مدھوبنی استاذ جامعہ حقانیہ اسلامیہ اوران طلبۂ عزیز کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا اپنے لیے دینی اوراخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جنھوں نے نہایت ہی عرق ریزی اور مخلصانہ جذبے کے ساتھ بذریعہ کمپیوٹر کتابت کی اہم ذمہ داری نبھا کر احسانِ عظیم سے گراں بار کیا ہے،خصوصاً مولانا بدر عالم صاحب نے تو تحریری غلطیوں کی تصحیح کرتے ہوئے کتاب کوآراستہ وپیراستہ کرکے منظرعام پرلانے کے لیے ہرممکن کوشش کا مظاہرہ کیا ہے،اللہ رب العزت ان تمام مخلصین کوعلمِ نافع کی توفیق عطا فرما کراپنی شایانِ شان اجرِ جزیل مرحمت فرمائے۔(آمین)

نیز میں اپنے ان عزیزوں کےحق میں بھی بارگاہِ ایزدی میں دعا گوہوں ،جنھوں نے کتاب کی اشاعت وطباعت کے لیے مالی تعاون پیش فرما کر، غیر معمولی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان عزیزوں کو ہرطرح کے شرور وفتن سے محفوظ فرما کر دنیاوآخرت کی تمام ترقیات سے نوازے۔(آمین)

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس اہم موقعہ پر اپنے مشفق والدین اور اساتذۂ کرام کا تذکرہ نہ کروں،جن کی للٰہیت پرمبنی تعلیم وتربیت اور پیہم توجہات اورمستجاب دعاؤں کے باعث مجھ جیسے حقیر بندۂ خدا کو یہ کتاب ترتیب دینے کی سعادت حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ ان نفوسِ قدسیہ کے تمام جائز مقاصد کی تکمیل

فرما کر اپنی رضا سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔(آمین)

آخر میں قارئین وناظرین سے درخواست ہے کہ "الانسان مرکب من الخطاو النسیان" کے پیشِ نظر احادیثِ مبارکہ کے ترجمہ وتشریح میں اگر کہیں غلطی اور سہونظر آئے تو برائے کرم ناچیز کو مطلع فرمادیں، تاکہ آئندہ اس کی تصحیح ہوسکے۔ان شاءاللہ اس پر بھی عنداللہ ماجور ہوں گے۔

اللہ مجھے اور تمام حضرات کو اس کتاب سے مکمل نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور تمام معاونین کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔(آمین ثم آمین)

صادق قاسمی خیرآبادی

خادم: جامعہ حقانیہ اسلامیہ

کٹھور، سورت، گجرات

۲۹؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

بروز سہ شنبہ

Mob.09714264003/09889028796

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمِ دین کی فضیلت اور اہمیت

﴿فضیلتِ علم کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد﴾

يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (القرآن الكريم)

﴿ترجمہ﴾ تم میں سے، جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ صاحب علم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرتا ہے اور اللہ تعالی تمھارے کاموں سے باخبر ہے۔

﴿تشریح﴾ اس آیت میں پہلے رفع درجات عام مؤمنین کے لیے ثابت کیا گیا، جس میں اہلِ علم بھی شامل ہیں، پھر عموم کے بعد خاص طور پر اصحابِ علم کو ذکر کیا گیا، جو ان کی فضیلت واہمیت کی واضح دلیل ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ یہاں پر علم سے مراد علمِ دین ہے اور قران و حدیث میں جہاں جہاں علم کا تذکرہ آیا ہے، اس کا اطلاق اِسی علمِ دین پر ہوتا ہے، جس کی تعلیم کی غرض سے حضرت جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کی خدمت میں بحکمِ الٰہی آیا کرتے تھے اور اسی علمِ دین کی طلب؛ ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، کیونکہ اللہ کے کسی نبی ورسول پر ایمان لانے کے بعد آدمی پر سب سے پہلے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ میرے لیے یہ پیغمبر کیا تعلیم وہدایت لیکر آئے ہیں، کیونکہ امورِ دینیہ کی بنیاد اسی علم پر ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کا سیکھنا اور سکھانا ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض قرار

دیا گیا ہے۔ اب یہ تعلیم وتعلم زبانی بات چیت اور مشاہدے سے بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ عہد نبوی ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد قریبی دور میں تھا، بل کہ صحابۂ کرام کا سارا علم وہی تھا، جو ان کو خود براہ راست رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سننے اور آپ ﷺ کے افعال واعمال کے مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوا تھا اور اکثر تابعین کا علم بھی وہی تھا، جو ان کو صحابۂ کرام کی صحبت اور سماع سے حاصل ہوا تھا۔ اسی طرح یہ علم دین نوشت وخوانداور کتابوں کے ذریعہ بھی حاصل ہو سکتا ہے، جیسا کہ بعد کے زمانوں سے لے کر اب تک علمِ دین کے حصول کا عام ذریعہ کتابوں کا پڑھنا، پڑھانا ہی ہے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں بقدرِ ضرورت علمِ دین کو حاصل کرنا، ہر صاحبِ ایمان کے لیے فرض وواجب قرار دیا ہے اور اس علم کو حاصل کرنے کے لیے پیش آنے والی محنت ومشقت کو ایک طرح کا جہاد فی سبیل اللہ بتلایا ہے اور اس سلسلے میں غفلت وبے پرواہی کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا ہے اور یہی وہ علم ہے، جو انبیا اور خاص کر رسول اللہ ﷺ کی میراث اور پوری کائنات کی سبب سے قیمتی اور عزیز دولت ہے۔ لہٰذا جو خوش نصیب بندے، اس علم کو حاصل کرتے ہیں اور اس کا حق ادا کرتے ہیں، وہ بلاشبہ فرمانِ نبوی کے مطابق، وارثین انبیا ہیں۔ یہی وہ پاکیزہ اور مقدس ترین علم ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر محمدِ عربی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ”قُلْ رَبِّی زِدْنِیْ عِلْمًا“ ”کہہ دیجیے کہ اے میرے پروردگار! مجھے زیادہ علم عطا فرما!“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم میں اضافہ کو طلب کرنے کا حکم فرمایا۔ ظاہر ہے،

اللہ جل شانہ سے کسی چیز کی زیادتی کی طلب اسی وقت کی جائے گی جب وہ چیز فضیلت کی حامل ہو یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آیت میں نبی کریم ﷺ کو ازدیادِ علم طلب کرنے کا حکم دیا جارہا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے کمالات سے نوازا تھا اور جتنا علم ضروری تھا، وہ اللہ جل جلالہ نے آپ کو پہلے ہی عطا کردیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم ایک ایسا سمندر ہے، جس کا کنارہ ناپید ہے۔ زیادت فی العلم ایسی چیز ہے، جس کی کوئی منزل نہیں ہے ۔ انسان علم کے کتنے ہی بڑے اور اونچے مقام پر پہنچ جائے، لیکن پھر بھی اسکو اضافۂ علم کی طلب ہونی چاہئے، کیونکہ علم میں قناعت نہیں ہے بل کہ مال میں قناعت ہے لہذا طالبانِ علومِ نبوّت کو چاہیے کہ حصولِ علم میں بھرپور ذوق وشوق کا مظاہرہ کریں اور تا حیات حصولِ علم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں، لیکن یہ بھی یاد رہے کہ علمی برتری اور فضیلت اسی وقت نفع بخش ہوگی، جب اس کی تحصیل میں نیت صحیح ہو اور اس کے ذریعہ سے رضائے الٰہی مطلوب ہو اور حاصل شدہ علم، عمل کے ساتھ مقرون ہو، کیونکہ اگر نیت خالصۃً لوجہ اللہ نہ ہو یا نیت تو صحیح ہو، لیکن عمل علم کے مطابق نہ ہو، تو ایسا علم وبالِ جان بن جاتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ علم دو دھاری تلوار ہے، اگر آدمی اس کو صحیح استعمال کرتا ہے، تو وہ اس کو جنت میں پہونچا دیگا اور اگر علم کا استعمال غلط ہے، تو جہنم کا موجب بن سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ علم کی حقیقت صرف جان لینا نہیں ہے، اگرچہ تعریف کے اعتبار سے اس پر علم کی تعریف صادق آجائے، لیکن حقیقت اور روح کے اعتبار سے اس وقت تک علم نہیں، جب تک کہ اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ

ہم سب کو عالم باعمل بنائے۔(آمین)

علمِ دین کی طلب وتحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے

﴿۱﴾عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ.(رَوَاہُ الْبَیْہَقِیْ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ علمِ دین کی تحصیل وطلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔

﴿تشریح﴾جو علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس سے مراد ایمانی اور دینی فرائض وضروریات کا وہ علم، جس سے خالی رہ کر کوئی مسلمان اپنے ایمان، اپنے دین اور اپنی آخرت کو نہیں پا سکتا۔ مثلاً ایک شخص نیا نیا مسلمان ہوتا ہے، اب اس کے لیے لازم ہے کہ سب سے پہلے یہ جان لے کہ اس کا خالق کون ہے؟ اس کا ربِ حقیقی اور معبودِ برحق کون ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ اس کا رسول اور نبی کون ہے؟ اور دوسری اور کیا کیا چیزیں ہیں؟ جن کے جانے بغیر کسی کا ایمان صحیح نہیں ہوتا، چناچہ اگر کوئی شخص ان باتوں سے جاہل ہے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو مؤمن ومسلمان کہتا ہے، تو چاہے، دنیا والوں کی نظر میں وہ مؤمن ومسلمان کہلائے، لیکن حقیقت میں اس کو مؤمن ومسلمان نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ اس کو ایمان واسلام کی اَساسی اور بنیادی باتوں کا علم ہی نہیں ہے۔ اس لیے ہر مسلم ومؤمن پر پہلا

فرض یہ ہے کہ وہ بقدرِ ضرورت اسلامی علوم حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس حدیث کا یہی مدعیٰ اور پیغام ہے۔ بہر حال حدیث کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ ہر مسلمان پر عالم و فاضل بننا فرض ہے، بل کہ مقصد صرف یہ ہے کہ، جس شخص کو اسلامی زندگی گذارنے کے لیے جتنے علوم واحکام کی ضرورت ہے، ان کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ مختصراً اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایسے تمام امور، جن کی ادائے گی کو انسان پر فرض قرار دیا گیا ہے، ان کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ اسی طرح امورواجبہ کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور امور مسنونہ و مندوبہ کا علم حاصل کرنا مسنون و مستحب ہے اور قرآن وسنت کے جملہ علوم کی تحصیل اور ان میں کمال پیدا کرنا فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں۔

آج کل اسکولوں اور کالجوں میں جو دنیوی علوم وفنون سکھائے جاتے ہیں وہ مطلوب علم نہیں یعنی ان کو فرض عین نہیں کہا جائے گا، البتہ ان میں سے بعض علوم فرضِ کفایہ یا جواز کے درجہ میں آسکتے ہیں، اگر وہ مخلوقِ خداوندی کے فائدے کے لیے درکار ہوں اور خلافِ شرع امور پر مشتمل نہ ہوں، لیکن جو علوم وفنون ایسے امور پر مشتمل ہوں، جن کی شریعتِ اسلامیہ میں گنجائش ہی نہیں، تو ان کا حاصل کرنا ممنوع اور ناجائز ہوگا۔ یہاں یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ یہی حدیث بعض کتابوں میں "کل مسلم" کے بعد "مسلمة" کے اضافہ کے ساتھ نقل کی گئی ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں "مسلمة" کا اضافہ ثابت اور صحیح نہیں، البتہ لفظ "مسلم "، معنوی حیثیت سے ہر مسلمان مرد وعورت کو شامل ہے۔

علمِ دین کے لیے سفر کرنے کی فضیلت

﴿۲﴾عَنْ قَیْسِ ابْنِ کَثِیْرٍؒ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا مَعَ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ فِیْ مَسْجِدِ دَمِشْقٍ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ یَااَبَی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ اِنِّیْ جِئْتُکَ مِنْ مَدِیْنَةِالرَّسُوْلِ ﷺ لِحَدِیْثٍ بَلَغَنِیْ أَنَّکَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ما جِئْتُ لِحَاجَةٍ، قَالَ: فَاِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقاً یَطْلُبُ فِیْهِ عِلْماً سَلَکَ اللّٰهُ بِهِ طَرِیْقاً مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَاَنَّ الْمَلَائِکَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضی لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاَنَّ الْعَالِمَ یَسْتَغْفِرُلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوَاتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الْحِیْتَانُ فِیْ جَوْفِ الْمَاءِ وَاَنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلٰی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدَرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَاَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ واَنَّ الْاَنبِیاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَاراً وَلَا دِرْهَماً وانّما وَرَّثُوا الْعَلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍ وافِرٍ.(رواه احمد والترمزي وابوداود وابن ماجة والدارمی، مشکوٰة)

﴿ترجمہ﴾حضرت کثیر بن قیس تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی مجلس میں دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب ان کے پاس آئے اور بولے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے مقدس شہر مدینہ منورہ سے چل کر آپ کی خدمت میں ایک حدیث کی خاطر آیا ہوں، جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ وہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے سوا میری آمد کا کچھ مقصد نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص (دین کا تھوڑا یا بہت) علم حاصل کرنے کے لیے کوئی (طویل یا مختصر) راہ مسافرت اختیار کرتا ہے، تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلائے گا اور اس شخص کی خوشنودی کے لیے (بطور اعزاز و اکرام) فرشتے اپنے پر پھیلا دیتے ہیں اور جو عالمِ دین ہے، تو اس کے حق میں بلا شبہ آسمان کی مخلوق (تمام فرشتے) اور زمین کی ساری مخلوق (تمام انسان و جنات وغیرہ) اور پانی میں مچھلیاں تک اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کو تمام تاروں پر برتری اور فوقیت حاصل ہے اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ علماءِ دین انبیا کے وارث ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیا اپنی میراث دینار و درہم (اور کسی دنیاوی مال واسباب) کی صورت میں چھوڑ کر نہیں جاتے، وہ تو اپنا ورثہ صرف علمِ دین کی صورت میں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ لہٰذا جس نے علم دین کو حاصل کرلیا، اس نے پورا حصہ پالیا۔

﴿تشریح﴾ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ طلبِ علم کے لیے سفر کی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کرنا بھی فضیلت کا سبب ہے۔ لہٰذا طالبِ علمِ دین کو چاہیے کہ دورانِ تعلیم پیش آنیوالی تکالیف کو بخوشی برداشت کرے اور ظاہر ہے کہ طلبِ علم میں جتنی مشقتیں زیادہ اٹھانی پڑیں گی، اتنا ہی ثواب میں اضافہ بھی ہوگا اور جنت کی راہیں اللہ تعالیٰ آسان فرمادیں گے۔

اس حدیث میں طلبِ علم کے لیے سفر کرنے کا صرف ایک واقعہ نقل کیا

گیا، حالاں کہ صحابہ اور تابعین کے اس طرح کے واقعات بکثرت منقول ہیں۔ لہذا کتنے خوش نصیب ہیں وہ طالبِ علم جو علمِ دین حاصل کرنے کے لئے قریب یا بعید کا سفر طے کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اِس عظیم بشارت کا مصداق بنتے ہیں، حتیٰ کہ ملائکہ جیسی معصوم مخلوق ان کی فضیلت و عظمت کے پیشِ نظر اپنا بازو پھیلا کر خوشنودی کی طلب گار بن جاتی ہے اور غیبی طور پر ان کی مدد و خدمت کرتے رہتے ہیں اور حصولِ علمِ دین کی برکت سے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ساری مخلوقات کو ان کے حق میں دعائے مغفرت کے لیے مشغول کر دیتا ہے، خواہ وہ ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول۔ حدیث میں ساری مخلوقات کو ذکر کرنے کے بعد مچھلیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، جب کہ تمام مخلوقات میں مچھلیاں خود بخود آ جاتی ہیں، لیکن ان کا الگ سے تذکرہ کر کے دراصل ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ بارش کا برسنا اور اس سے بے شمار حاصل ہونے والی آسانیاں اور راحتیں یہ سب علماءِ دین ہی کی برکت کا طفیل ہے، یہاں تک کہ پانی کے اندر موجود مچھلیوں کا زندہ رہنا بھی علماءِ دین ہی کی برکت سے ہے اس لئے مچھلیاں بھی اپنی بقا کے لئے طالبانِ علومِ نبوّت کے حق میں دعائیں کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح مذکورہ حدیث کے اندر عالم کو عابد کے اوپر برتری اور فضیلت دی گئی ہے، کیونکہ عالم کے علم کا فائدہ متعدی ہوتا ہے؛ یعنی اس کا علم صرف اسی کے لئے مفید نہیں ہے، بل کہ دوسروں کو بھی فائدہ پہونچاتا ہے۔ مثلاً تذکیر و تدریس، تصنیف و تالیف اور دیگر ذرائع سے اپنے دینی علوم و معارف کو دنیا والوں تک منتقل کرتا

رہتا ہے، برخلاف صرف عبادت گزار کے، تو اس کی عبادات کا ثمرہ اس کی ذات ہی پر مرتب ہوتا ہے، چنانچہ اسی حقیقت کو مزید آشکارہ کرنے کے لیے عالم وعابد کے لئے چودھویں رات کے چانداور تاروں کی تشبیہ اختیار فرمائی گئی ہے کہ جس طرح چودھویں رات کے چاند کی روشنی خود اس کی ذات تک محدود نہ رہ کر غیر محدود طور سے پوری دنیا میں پہونچتی ہے۔ اسی طرح عالمِ دین کے علم کا فائدہ ؛ صرف اس کی ذات تک محدود ومنحصر نہ رہ کر نہ معلوم کتنے لوگوں تک پہنچتا ہے ، لیکن چاند کے برعکس تاروں کی روشنیاں، بس ان کی ذات ہی تک منحصر رہتی ہیں، کسی اور جگہ تک ان کی روشنی نہیں جاتی ، اسی طرح عابد کی عبادات کا فائدہ ، بس اس کی ذات ہی تک رہتا ہے، دوسروں تک متعدی نہیں ہوتا ہے۔ شرح السنہ میں مشہور محدث حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں آج تک کوئی ایسی چیز نہیں جانتا ہوں کہ جو علمِ دین کی طلب سے افضل ہو، یہ سن کر لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آج کل لوگ علمِ دین کی طلب وتحصیل میں لگے ہوئے ہیں، لیکن ان کی نیّتیں صحیح کہاں ہیں؛ یعنی علمِ دین کے طلب میں ، جس جذبۂ صدق اور خلوصِ نیت کی ضرورت ہے، اس کا اثر ان لوگو سے تو کچھ ظاہر ہوتا نہیں ہے؟ جواب میں حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا حصولِ علمِ دین میں لگنا ان کی نیتوں کی اصلاح کا ذریعہ ہے؛ یعنی جو علم وہ حاصل کررہے ہیں ، اس کی برکت سے نیت خود درست ہو جاتی ہے۔ اسی بنیاد پر بعض علماءِ دین کا یہ کہنا تھا؛ پہلے تو ہم اللہ کے سوا اور غرض کے واسطے علم کی تحصیل وطلب میں لگے

ہوئے تھے، مگر بعد میں ہمارا علم صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے لیے ہو کر رہ گیا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ علمِ دین کی تحصیل و طلب میں لگنا نفلی عبادتوں میں مشغول ہونے سے بہتر ہے، کیوں کہ اس طلبِ علم کا درجہ یا تو فرضِ عین ہوگا یا فرض کفایہ اور ظاہر ہے کہ فرض خواہ عین ہو یا کفایہ بہر حال نفل سے افضل ہے۔

"إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ الخ" رسول اللہ ﷺ نے علماء کو انبیا کا وارث قرار دیا اور ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیا کہ انبیا کی میراث دنیاوی مال و دولت نہیں ہوا کرتی کہ لوگ اس کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں، کیوں کہ دنیا اور اس کی تمام اشیا، زوال پذیر ہیں، بل کہ ان کی میراث تو علم ہے، جو بندوں کی ہدایت کے لیے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے ان کو عطا کیا گیا۔ لہذا انبیا کا صحیح وارث اور نائب درحقیقت وہی شخص کہلانے کا مستحق ہوگا، جو ان کی لائی ہوئی تعلیمات و ہدایات پر عمل پیرا رہے اور ان کی علمی میراث کو مکمل طور پر حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہے، چناں چہ جو جس قدر علومِ نبوّت کو اخذ کرے گا، اسی اعتبار سے وہ انبیا کا وارث قرار پائے گا۔

"تفقه فی الدین" باعث خیر ہے

﴿۳﴾ عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي . (متفق عليه، مشكوة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھلائی پہنچانا چاہتے ہیں، تو اس کو دین میں سمجھ پیدا

فرماتے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں بانٹتا ہوں اور دینے والا تو صرف اللہ ہے۔

﴿تشریح﴾ ''تفقہ فی الدین'' کا مطلب ہے کہ تعلیم دین میں اس درک اور مہارت کا حاصل ہونا، جو کتاب وسنت میں حق شناسی کے جوہر کا مالک بنادے اور شرعی احکام ومسائل کی بنیادی حقیقتوں سے روشناس کرائے اور یہ چیز صرف اکتساب سے حاصل نہیں ہوسکتی، بل کہ اسی کو حاصل ہوگی، جس کے اوپر اللہ تعالیٰ شرعی علوم کے دروازے کھول دے۔ لہٰذا فقہی بصیرت کے حصول کی اللہ سے دعائیں کرتے رہنا چاہئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کو دینی امور کی سوجھ بوجھ نہ ہو؛ یعنی اسلام کے اصول وفروع سے ناواقف ہو، تو وہ خیر سے محروم ہے۔ بعض روایت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جس نے ''تفقہ فی الدین'' حاصل نہیں کیا، اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے علماء کی فضیلت تمام لوگوں پر اور علمِ فقہ کی فضیلت تمام علوم پر بالکل ظاہر وباہر ہے۔ '' إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي '' کا مطلب یہ ہے کہ میرا (آپ ﷺ) کام تو صرف اتنا ہے کہ میں تمھارے سامنے دین وشریعت کے احکام ومسائل پیش کردوں، بقیہ ان احکام ومسائل میں صحیح طور پر فہم وادراک اچھے انداز سے غور وفکر اور ان پر عمل کی توفیق کا میسر ہونا، اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو جتنا چاہے، عطا فرمائے، کیوں کہ حقیقی معطی، تو اللہ ہی ہے، البتہ عطا کرنے کے لیے واسطہ مجھے بنایا ہے۔ اس لیے میں تمھارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

انسانی خوبیوں میں نکھار علمِ دین ہی سے آتا ہے

﴿۴﴾عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ النَّاسُ مَعَادِنٌ کَمَعَادِنِ الذَّھْبِ وَالفِضَّۃِ خِیَارُھُمْ فِیْ الجَاھِلِیَّۃِ خَیَارُھُمْ فِیْ الاِسْلَامِ اِذْ فَقِھُوْا.(رواہ مسلم، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کان ہیں، جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتیں ہیں، ان میں کے جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں اچھے مانے جاتے تھے۔ وہ زمانہ اسلام میں بھی ان میں کے اچھے لوگ ہیں، بہ شرطیکہ وہ دین کا علم حاصل کرلیں۔

﴿تشریح﴾ آدمی کان ہیں؛ یعنی جس طرح زمین کے نیچے چھپی ہوئی کانیں اپنی نوعیت وحیثیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں کہ کسی کان سے لعل ویاقوت اور جواہر برامد ہوتے ہیں، تو کسی کان سے سونا چاندی اور کسی کان سے تانبہ یا لوہا نکلتا ہے، اسی طرح اخلاق ،خصائل اور اوصاف کے اعتبار سے انسان بھی کانوں کے مانند مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں۔

ان کے وہ لوگ، جو زمانۂ جاہلیّت میں اچھے مانے جاتے تھے ۔۔۔اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کفر وشرک کی حالت میں بھی اعلی انسانی خصوصیات و اوصاف اور ارفع نسب وحسب رکھنے کے سبب معاشرے میں اچھے شمار ہوتے تھے، مثلاً کوئی شجاعت و بلند ہمتی کا وصف رکھتا تھا، کسی کے اندر سخاوت وفیاضی پائی جاتی تھی، کسی کے اندر باہمی محبت وموانست اور ہمدردی کا جذبہ زیادہ تھا، کوئی شخص صادق القول اور امانت داری

میں امتیازی شان رکھتا تھا،تو اسلام لانے کے بعد،اب اسلامی معاشرے میں بھی مذکورہ اوصاف وخصوصیات کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ممتاز سمجھا جائے گا بہ شرطیکہ علمِ دین حاصل کر کے اپنی عملی زندگی دین کے سانچے میں ڈھال لیا ہو، کیوں کہ،جس طرح لعل ویاقوت اورسونے چاندی جیسی قیمتی معدنیات کا معاملہ ہوتا ہے کی جب تک وہ زمین میں چھپے ہوتے ہیں اوران کونکال کر مٹی وغیرہ کی آمیزش سے ان کو صاف شفاف نہیں بنایا جاتا اور تپا پگھلا کر روشن اور چمکدار نہیں کیا جاتا،اس وقت تک ان کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی اصل قیمت لگتی ہے ،اسی طرح جو شخص کفروشرک کی حالت میں اچھے اوصاف وخصائل اورانسانی خوبیوں کا حامل ہوتا ہے،تو اس کی تمام خوبیاں کفروشرک کے اندھیرے میں چھپی رہتی ہیں۔ لہٰذا جب وہ کفروشرک کے اندھیرے سے نکل کر نورِ اسلام کوقبول کر لیتا ہے، علمِ دین حاصل کر کے حقیقت شناس اورحق آشنا بن جاتا ہے، دین پرمکمل طور پرعمل کرتا ہےاورعبادت وریاضت کی بھٹی میں اخلاص کےساتھ تپتااور پگھلتا ہے،تو گناہ ومعصیت کی آلائش سے پاک ومنزّہ ہوکر خالص ہو جاتا ہےاور دینی علوم ومعرفت کا نوراس کی تمام خوبیوں کونکھار دیتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علمِ دین کے بغیرانسان کی تمام صلاحیتیں اورخوبیاں ناکارہ اور بے قیمت ہیں۔اس حدیث سے ان حضرات کوعبرت حاصل کرنا چاہیے، جو دینی علوم کو پسِ پشت ڈال کر؛صرف دنیوی علوم وفنون میں عروج حاصل کرنے کے لیے تگ ودو کرتے رہتے ہیں۔یقیناً ایسے لوگ اخروی اعتبار سے بالکل

خسارہ میں ہیں، گرچہ دنیاوی اعتبار سے کامیاب ترین قرار دیئے جائیں!

طالبِ علم: مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے

﴿۵﴾عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرجِعَ.(رواہ الترمذی والدارمی،مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص علم دین کی طلب و تحصیل میں نکلا، تو جب تک واپس نہ آجائے، اللہ کی راہ میں ہے۔

﴿تشریح﴾مطلب یہ ہے کہ جو شخص شرعی علوم حاصل کرنے کے لیے اپنے گھر سے نکلا، خواہ وہ علوم فرضِ عین ہوں یا فرضِ کفایہ، تو ایسے شخص کو وہی ثواب ملتا ہے، جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کو ملتا ہے، کیوں کہ طالبِ علم بھی دین کو پھیلانے، شیطان کو ذلیل کرنے، اور اپنے نفس کو مارنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے اور مسافرت کی ساری صعوبتیں اسی طرح جھیلتا ہے، جس طرح مجاہد اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے، لہذا وہ اس وقت تک مجاہد فی سبیل اللہ کا ثواب پاتا رہتا ہے، جب تک اپنے گھر واپس نہ آجائے۔ حدیث شریف کے الفاظ ''جب تک کہ وہ واپس نہ آجائے ۔۔۔۔۔'' اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ طالبِ علمِ دین، جب تک علم کی تحصیل وطلب میں لگا رہتا ہے، تب تک، تو وہ مجاہد کا ثواب پاتا ہے، لیکن جب تحصیلِ علم سے فراغت پا کر عالمِ دین بن جاتا ہے، تو اس سے بھی بڑا درجہ پاتا ہے، کیوں کہ اب وہ اس

مقام پر فائز ہوجاتا ہے جو اس کو دین کی تعلیم اور ترویج اور ناقصوں کو کامل بنانے کے عوض میں انبیا کا وارث بنا دینے والا ہے۔

علمِ دین کا طلب کرنا کفارۂ سیئات ہے

﴿۶﴾عن سَخْبَرَة الأزدی رضی اللہ عنہ قال: قال رسولُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضىٰ .(رواہ الترمذی و الدارمی)

﴿ترجمہ﴾ حضرت سخبرۃ ازدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے دین کا علم حاصل کیا، تو وہ (اس کا علم حاصل کرنا) اس کے ان صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا، جو ماضی میں ہوئے تھے۔

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ جس نے علمِ دین؛ عمل کی نیت سے حاصل کیا، تو اس کا یہ علم حاصل کرنا ماضی کے صغیرہ گناہوں کو زائل کردے گا، بظاہر کفارہ مختص ہے صغائر کیساتھ، لیکن ممکن ہے کہ حدیث کا یہ مفہوم ہو کہ اللہ تعالیٰ صغائر اور کبائر دونوں طرح کے گناہوں کو معاف فرمادیں، بایں طور کہ صغائر خود بخود معاف ہوجائیں اور علمِ دین کی برکت سے اللہ کبائر سے توبہ کی توفیق مرحمت فرمادیں اور علمِ دین کی فضیلت کے پیشِ نظر اللہ کی ذاتِ کریمی سے یہ کوئی بعید نہیں ہے۔

علمِ دین میں مشغول رہنے والوں کو جنت کی بشارت

﴿۷﴾عَنْ اَبِیْ سَعِیْد الْخُدْرِی رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ: رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَسْمَعُهُ حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهٰهُ الْجَنَّةُ(رواہ الترمذی، المشکوۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا پیٹ خیر کی باتیں (یعنی علمِ دین حاصل کرنے سے) سننے سے کبھی نہیں بھرتا، یہاں تک کہ جنت ہی اس کی منتہا ہوتی ہے۔

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ جس مؤمنِ کامل کو اللہ تعالیٰ حصولِ علم کے راستے پر لگا دیتا ہے اور علومِ دینیہ کی خدمت کی توفیق اس کو عطا فرما دیتا ہے، تو وہ پھر ساری عمر علم کی طلب میں سرگرداں رہتا ہے۔ زیادتیِ علم کا جذبہ کبھی بھی اس کی طلب کی تکمیل اور اس کی جستجو کی تسکین نہیں کر پاتا، یہاں تک کہ علم کی تلاش وجستجو میں وہ اپنا عرصۂ حیات مکمل کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور اس کی برکت سے جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔ لہذا اگر دیکھا جائے، تو یہ حدیث طالبانِ علمِ دین کے لیے عظیم بشارت کا درجہ رکھتی ہے کہ وہ انشاء اللہ اس دنیا سے باایمان رخصت ہوتے ہیں اور حسنِ خاتمہ سے نوازے جاتے چناں چہ بعض اہل اللہ کے بارے میں منقول ہے کے، وہ اسی بشارت کی بنا پر ساری زندگی طالبِ علم بنے رہے اور علوم وفنون کے بہت سے میدانوں میں فضل وکمال حاصل کر لینے کے باوجود عمر کے آخری حصہ تک تحصیلِ علم میں مشغول رہے تاکہ اس درجہ کو پالیں، جس کی بشارت اس حدیث میں موجود ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ "اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ إِلَىٰ اللَّحدِ"، اگر چہ یہ روایت حدیث کے لحاظ سے تو موضوع ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہے۔ لہذا طالبِ علم کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ مہد (گود) سے لیکر لحد (قبر) تک اس کی طلبِ علم کبھی ختم نہ ہو۔

امام ابو یوسفؒ کا واقعہ

امام ابو یوسف کا قصہ ہے کہ مرضِ وفات میں لوگ ان کی عیادت کے لیے گئے، تو دیکھا کہ بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے ہیں، اس کے باوجود عیادت کرنے والوں سے پوچھ رہے ہیں کہ بھائی رمی میں کیا افضل ہے "راکباً" یا "ماشیاً"؟ (یعنی سوار ہو کر یا پیدل چل کر) یہ سوال کر رہے ہیں، جب لوگ وہاں سے عیادت کر کے واپس ہوئے، تو کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں وہاں سے لوگوں کے رونے کی آواز آئی پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت کا انتقال ہو گیا۔ یہ "مِنَ الْمَهْدِ إِلَى اللَّحدِ" ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ طلب ہمارے دل میں پیدا فرمائے۔ اگر اس کا کوئی حصہ حاصل ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے گا، لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ جو کچھ حاصل ہے، اسی پر قناعت کیے بیٹھے ہیں اور جہاں قناعت کرنی چاہیے تھی وہاں قناعت نہیں ہے اور جہاں قناعت نہیں کرنی چاہیے تھی، بل کہ حرص کرنا چاہیے تھی؛ یعنی علم اور دین میں، وہاں قناعت ہے۔ الٹا معاملہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس الٹے معاملے کو سیدھا کر دے۔ (آمین!)

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ علم کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ طلب علم کا مفہوم علمی مشغولیتوں کی ہر صورت پر پورا اترتا ہے، خواہ وہ تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو۔

تفقّہ فی الدین؛ نفاق سے براءت کی علامت ہے

﴿۸﴾عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رَسولُ اللّٰہِ ﷺ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُنافقٍ، حُسْنُ سَمْتٍ وَ لَا فِقْہٌ فی الدِّینِ (رواہ الترمذی ،المشکوۃ)

﴿ترجمہ﴾حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتی: ایک تو نیک خلقی (اچھی چال چلن)اور دوسری دین میں سمجھ۔

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ منافق کے اندر بیک وقت نہ تو دونوں صفت جمع ہوسکتی ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی ایک پائی جاسکتی ہے، بل کہ حدیث میں دونوں صفت کوایک ساتھ بیان کرنے کا مقصد مؤمن کو ان دونوں صفت کے ساتھ متصف ہونے پر اُبھارنا ہے اور ان کی اضداد سے اجتنابِ کلّی کی ترغیب دینا ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان دونوں خوبیاں کواپنے اندر پیدا کرے، کیوں کہ یہی دونوں خوبیاں یعنی اچھے اخلاق وعادات سے مزین ہونا اور دین میں سمجھ پیدا کرنا، کسی کو کامل مؤمن بناتی ہیں۔علامہ تورپشتیؒ نے لکھا ہے کہ تفقّہ فی الدّین دین میں سمجھ، جس کو کہتے وہ حقیقت میں یہ ہے کہ دین کی صحیح پہچان دل ودماغ میں جگہ پکڑ لے پھر زبان و قلم پر جاری ہواور اسی کے بموجب عمل ظاہر ہوں اور اسی کے ذریعہ خوفِ خدا اورتقوی حاصل ہو؛ بہر حال وہ لوگ جو برتری حاصل کرنے کے لیے زبانی طور پر دین کے چند احکام سے باخبر ہو جائیں، تو اس عظیم رتبہ کو پانے کا

استحقاق نہیں رکھتے، کیوں کہ ان کا علم دل کے اندر پیوست نہیں ہوا ہے، بل کہ صرف زبان ہی کے اوپر ہے اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تمھارے درمیان کہیں ایسے منافق پیدا نہ ہو جائیں، جو صرف زبان کے اعتبار سے دین کا علم رکھنے والے ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تفقّہ فی الدِّین کا مصداق وہی ہے، جو دینی علم کو حاصل کر کے دلوں میں محفوظ کر لے اور اسی کے مطابق عمل بھی کرے۔

دین کا عالم و معلّم قابل رشک ہے

﴿۹﴾ عَنِ ابْنِ مَسعودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ لَاحسَدَ اِلَّا فِی اِثْنَیْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَسَلَّطَهُ علی هَلَكَتِهٖ فِیْ الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتاه الحِكْمَةَ فَهُوَ يقضِی بِهَا ويُعَلِّمُهَا. (متفق علیه، مشكوة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبداللہ ابن مسعودٍ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو شخصوں کو چھوڑ کر (اور کسی سے) حسد کرنا جائز نہیں ہے؛ ایک تو وہ شخص، جس کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا اور پھر اس کو حق کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور دوسرا وہ شخص، جس کو اللہ نے علمِ دین دیا ہو اور پھر وہ شخص (عمل کرنے ساتھ) اس علم کے تحت حکم کرتا ہو اور دوسروں کو بھی دین سکھاتا ہو۔

﴿تشریح﴾ اس حدیث میں حسد سے غبطہ؛ یعنی رشک مراد ہے۔ ان

دونوں میں فرق یہ ہے کہ حسد سے مراد؛ کسی شخص کی کوئی نعمت وسرفرازی مثلاً مال ودولت کی کثرت یا کسی عہدہ ومنصب اور عزت وغیرہ کو دیکھ کر یہ آرزو کرنا کہ اس سے یہ نعمتیں زائل ہو جائیں، چاہے مجھے ملے یا نہ ملے۔ اس طرح کی آرزو اور تمنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ غبطہ؛ یعنی رشک سے یہ مراد ہے کہ کسی کی کوئی حاصل شدہ نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ وہ چیز اس کے پاس برقرار رہے اور وہی مجھے بھی مل جائے۔ یہ عام مباحات کے اندر بھی جائز ہے، لیکن علم وحکمت میں مستحسن اور محمود ہے، بل کہ مطلوب ہے۔

اب حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں میں رشک ہونا چاہیے ایک تو وہ شخص، جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور حق کام کے اندر خرچ کرنے کی توفیق بھی بخشی ہو، اس لیے ایسے شخص پر رشک کرنا برحق ہے، کیوں کہ اس کے پاس دنیا بھی ہے اور اچھے امور میں خرچ کرنے کی وجہ سے دین بھی ہے۔ لہذا آدمی کو چاہیے کہ مال کی دعا کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق اللہ سے ضرور مانگے، تاکہ اس حدیث کی روشنی میں وہ قابلِ رشک بن سکے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت یعنی قرآن وحدیث کا علم عطا فرمایا اور وہ اسی کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم بھی دیتا ہے چناں چہ ایسے شخص کو اللہ نے علم بھی عطا فرمایا اور اس کا صحیح مصرف بھی عطا فرمایا کہ اس کو صحیح جگہ پر خرچ کررہا ہے اور دوسروں تک پہنچا رہا ہے۔ اس کا نفع لازم بھی ہے اور متعدی بھی، تو ایسا شخص یقیناً قابلِ رشک ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو دنیا میں بہت سے لوگ بہت سی چیزوں پر رشک کرتے ہیں،

لیکن مطلوب ومحمود رشک وہی ہے، جوان دوآدمیوں پر کیا جائے۔

علمِ نافع کا اجروثواب موت کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتا

﴿۱۰﴾عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلیہِ وسلَّمَ اِذَا مَاتَ الانْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْہُ عَملُہ اِلَّا من ثلثۃٍ الا من صدقۃٍ جاریۃٍ او عِلم یُنْتَفِعُ بہٖ اَوْ وَلْدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْا لَہٗ. (رواہ مسلم ،مشکوۃ)

﴿ترجمہ﴾حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی مرجاتا ہے ،تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ ہاں اس کی تین چیزیں ایسی ہیں ،جن کا سلسلہ(موت کے بعد بھی)جاری وباقی رہتا ہے(۱)وہ یاتو صدقۂ جاریہ(۲)وہ یاتو علم کہ جس سے فائدہ اٹھایا جائے (۳)اوروہ یاتو صالح اولاد، جواس کےحق میں دعا کرے۔

﴿تشریح﴾آدمی اس دنیا میں نماز اورروزہ وغیرہ کی صورت میں جو عبادات اور نیک اعمال کرتا ہے؛ ان کا ثواب جمع ہوتا رہتا ہے ،جو اس کو آخرت میں ملے گا،لیکن جوں ہی اپنا عرصۂ حیات پورا کر کے اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے،تو اس کے نام پر ان اعمال کے ثواب جمع ہونے کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے، کیوں کہ جب تک وہ زندہ رہا اوران عبادات اور نیک اعمال کو کرتا رہا،تو ان کے ثواب کا بھی حق دار رہا،مگر اب موت کے بعد جب ان عباداتِ مذکورہ کو کرے گا ہی نہیں اوران نیک اعمال کا صدور ہوگا ہی نہیں تو پھران عبادات اور نیک اعمال پرثواب ملنے کا سلسلہ بھی ختم ہوجائے گا،البتہ

تین چیزیں ایسی ہیں، جن پر ثواب ملنے کا سلسلہ مرنے کے بعد آئندہ بھی جاری وساری رہتا ہے، ایک تو صدقۂ جاریہ؛ یعنی اگر کسی نے کوئی زمین و جائداد وغیرہ اللہ کی راہ میں وقف کر دی ہے۔ مثلاً کنواں اور تالاب بنوا دیا ہے یا نہر جاری کرا دی یا سرائے ومسافر خانہ تعمیر کروا دیا یا اور کوئی عمارت بنوا کر مسجد و مدرسہ کے کام میں آنے کے لیے وقف کر دی، وغیرہ وغیرہ تو اس کارِ خیر یعنی وقف کرنے کے وقت اس کو جو ثواب ملنا تھا وہ تو ملا ہی، لیکن آئندہ بھی جب تک اس کی وقف کردہ چیز قائم رہے گی مرنے کے بعد بھی اجر و ثواب کا سلسلہ جاری رہے گا۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ زندگی میں صدقۂ جاریہ کی قبیل سے حسبِ استطاعت اخلاص کے ساتھ کوئی عمل ضرور کرے تاکہ موت کے بعد بھی اس کے ذخیرۂ اجر میں اضافہ ہوتا رہے۔

دوسری چیز وہ دینی علم ہے، جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے؛ یعنی کسی عالم دین نے اگر کوئی دینی کتاب تصنیف و تالیف کی ہے یا تعلیم و تدریس کے ذریعے دوسروں کو بھی عالمِ دین بنا دیا تو اس نیک عمل کے وقت اس کو جو ثواب ملنا تھا، وہ تو ملا ہی، لیکن آئندہ موت کے بعد بھی جب تک مخلوقِ خدا اس کے علوم و معارف سے مستفید ہوتی رہے گی، اللہ تعالی اس کے نامۂ اعمال میں ثواب بڑھاتے رہیں گے۔ لہٰذا ہر طالب علم کو علم حاصل کرنے کے بعد کوئی ایسی راہ اپنانی چاہیے ، جو اس کے علمی فیوض و برکات کی توسیع و اشاعت کا ذریعہ بنے۔

تیسری چیز نیک اور صالح اولاد ہے؛ یعنی جس شخص کی اولاد نیک اور دیندار ہو اور اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے دعاءِ مغفرت اور ایصالِ

ثواب کا عمل کرتی رہے، تو یہ بھی ایسی بھلائی ہے، جس کے ذریعہ آدمی مرنے کے بعد اجر وثواب پاتا رہے گا اور یہ اسی وقت ہوگا، جب آدمی اپنی اولاد کی تربیت وتعلیم، دینی اور اسلامی نہج پر کر کے دنیا سے گیا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث کے اندر موجود ولدِ صالح سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔ لہذا ہر شخص کو اپنی اولاد کے تئیں اسلامی علوم اور دینی تربیت کے بارے میں کوشاں اور متفکر رہنا چاہیے تاکہ اولاد مرنے کے بعد کام آسکے۔

مجلسِ علم دین کی فضیلت

﴿۱۱﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمرٍ رضی اللہ عنہ وانّ رسو لَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَا هُمَا عَلىٰ خَيْرٍ وَاحَدُ هُمَا اَفضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ اِمَّاهٰؤُلاءِ فَيَدْعُون اللّٰه وَيَرْغَبُونَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَاِمَّا هٰؤُلاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِالْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ. (رواه الدارمی، مشکوة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ دونوں مجلسیں بھلائی پر ہیں، لیکن ان میں سے ایک مجلس دوسری مجلس سے افضل ہے۔ ایک مجلس کے لوگ اللہ کی عبادت اور دعاؤ وذکر میں مشغول ہیں۔ (حصول مقصد کے لئے اسی سے آس لگائے ہوئے ہیں) اسی کی طرف متوجہ ہیں چناں چہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے، تو ان کو عطا فرمائے اور اگر چاہئے تو نہ عطا

کرے اور دوسری مجلس کے لوگ فقہ؛ یعنی علمِ دین سیکھ رہے ہیں یا یہ فرمایا کہ علم سیکھ رہے ہیں اور جاہلوں کو تعلیم دے رہے ہیں۔ لہذا یہ لوگ ان لوگوں سے افضل ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی لوگوں کی مجلس میں بیٹھ گئے۔

﴿تشریح﴾ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلسِ علم کو مجلسِ دعا وغیرہ پر فضیلت دی ہے اور دعا والی مجلس میں نہ بیٹھنے کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ اس مجلس میں تعلیم وتعلم اور جاہلوں کو علمِ دین سے آراستہ کرنے کا عمل جاری تھا، جو آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی کے عین مطابق تھا اور ایسی ہی مجالس کے ذریعے اشاعتِ دین اور پیغامِ رسالت کو کما حقہ انجام دیا جا سکتا ہے اور انھیں مجلسوں سے نکلنے والے آگے چل کر انبیا کے وارثین کہلائیں گے اور زندہ انسانوں کی شکل وصورت میں آپ ﷺ کی نیابت کا مقدس فریضہ ادا کریں گے۔ یہ لوگ نبی تو نہیں ہوں گے، لیکن کارِ نبوت سنبھالنے والے ضرور شمار کیے جائیں گے؛ گویا دعوت الی اللہ اور تبلیغِ شریعت میں آپ ﷺ کے دست و بازو اور آلۂ کار ہوں گے۔ انھیں سب خصوصیات کی وجہ سے آپ ﷺ نے ذکر ودعا والی مجلس کے مقابلہ میں تعلیم وتعلّم والی مجلس کو افضل وبرتر قرار دیا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنا بھی شمار انھیں میں کیا۔ یقیناً یہ حدیث طالبینِ علم، علما اور معلّمین کی غیر معمولی عظمتوں اور فضیلتوں کی واضح دلیل ہے۔ اس لیے طالبانِ علومِ نبوّت اور اہلِ علم کو اپنی ذمہ داری کو سمجھنا چاہیے اور حصولِ علمِ دین کے بعد نبی ﷺ کا سچا جانشین ثابت کرنے اور آپ ﷺ کی

تعلیمات کو عام کرنے کے لیے اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ وقف کر دینا چاہیے، تا کہ کل قیامت کے دن آپ ﷺ کے حقیقی وارثین میں شمار ہو سکیں۔

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے

﴿۱۲﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلیٰ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

﴿تشریح﴾ فقیہ یعنی عالمِ دین، جو اپنے کمالِ علم وفہم اور خدا داد فقہی بصیرت کی بناء پر دین کی اصل حقیقتوں سے آشنا ہوتا ہے اور شرعی احکام وہدایات کے ہر ہر پہلو پر کلی اور جزئی طور پر گہری نگاہ رکھتا ہے، وہ شیطان کے گمراہ کن وساوس اور مکر وفریب کو خوب پہچانتا ہے۔ شیطان جب لوگوں پر اہواءِ نفسانی اور خواہشاتِ فاسدہ کے دروازے کھولتا ہے، تو اس کی عیّارانہ چال کو سمجھنے میں اس عالمِ دین کو ذرا بھی دیر نہیں لگتی اور وہ لوگوں کو خلافِ شرع روش اختیار کرنے سے بچانے کے لیے شیطانی چال سے آگاہ کر دیتا ہے اور اپنی علمی دانائی کے ذریعے ان کو ایسی دینی تدابیر اور عقل مندی کی باتیں بتا دیتا ہے، جن پر عمل کر کے وہ شیطان کو اپنے اوپر قابو پانے کا موقع فراہم نہیں کرتے اور اس کی ہلاکت خیز برائیوں سے محفوظ رہتے ہیں، لیکن اس عالم کے برعکس دینی تدابیر سے نابلد، نرے عابد کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ بس عبادت ہی میں مشغول رہتا ہے، اس کو نہ کسی دینی معاملے میں کچھ غور وفکر کی طرف

دھیان ہوتا ہے اور نہ شیطانی چالوں کو سمجھنے کا فہم وادراک اور نہ ہی اس کا توڑ کرنے والے اسباب وتدابیر سے واقفیت ہوتی ہے۔ اس لیے وہ دوسرے لوگوں کو تو شیطان سے کیا بچا سکتا ہے، بل کہ خود ہی نادانستہ طور پر شیطان کی طرف سے پیش آنے والے گمراہ کن خیالات و وساوس کا شکار ہوکر اپنی عبادت کو گنواں بیٹھتا ہے۔ اس کو اس بات کا علم ہی نہیں ہو پاتا کہ جس عبادت میں لگا ہوا ہے، اس میں شیطان کن چوردروازوں سے اپنا کام کیئے جا رہا ہے اور اس کی ساری محنت کو ملیا میٹ کرر ہا ہے۔ لہٰذا اگر ایسے عابد جو دینی علوم کی مہارت سے نا آشنا ہوں، تو شیطان ان کو اپنے دامِ فریب میں آسانی سے پھنسالیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بغیر علم کا عابد کبھی بھی شیطان کا لقمہ بن سکتا ہے، چناں چہ عبادت گذار ہونے کے ساتھ ساتھ دینی فقاہت کا ہونا ضروری ہے۔

طلبِ علم ایک خوش آئند اقدام ہے

﴿۱۳﴾ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَاَدْرَكَهٗ كَانَ لَهٗ كِفْلَانِ مِنَ الْأَجْرِ فَاِنْ لَّمْ يُدْرِكْهُ كَانَ لَهٗ كِفْلٌ مِنَ الْاَجْرِ (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے طلبِ علم سے وابستگی اختیار کی اور اس نے علم کو حاصل کرلیا، تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر وہ علم حاصل نہ کرسکا، تو (اس صورت میں) وہ ایک اجر کا مستحق (ضرور) ہوگا۔

﴿تشریح﴾ اس حدیث شریف میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ

جو شخص علم کی تلاش و جستجو میں لگا اور طلبِ علم کو اپنا مشغلہ بنایا، تو اس کے بعد دو ہی صورتیں سامنے آتی ہیں یا تو اس نے علم حاصل کرلیا۔ یا وہ حصولِ علم سے بایں وجہ محروم رہا کہ موت نے اپنے چنگل میں اسے دبوچ لیا، بہر صورت یہ سود مند فائدہ آور سعادت مندی اور ثمر خیزی کا باعث ہوگا۔ اگر اس نے علم حاصل کرلیا تو وہ دوھرے اجر کا مستحق قرار پائے گا۔ ایک اجر تو اسے اس بات پر ملے گا کہ اس نے طلبِ علم کو اپنا مشغلہ بنایا اور حصولِ علم کی راہ میں پیش آمدہ آلام و مصائب اور کلفت و مشقت اس نے برداشت کیا، اس کے حصولِ کے تیئں سعی و کوشش کی، اجتہاد و کردار سے وابستگی اختیار کی، پُر پیچ وادیوں، پُر مشقّت راستوں سے گزر کر، اس کے حصول کو باعثِ سعادت سمجھا، یہ اس کی وہ عملی کوشش ہے، جس کے باعث وہ اجر و ثواب کا مستحق گردانا گیا، پھر اگر اسے علم حاصل ہوگیا اور وراثتِ انبیا کے مرتبہ پر وہ فائز ہوگیا، تو یہ بھی اس کے لیے اجر کا باعث ہوگا، اِس طرح سے یہ دوھرے اجر کا مستحق قرار پایا، یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک مجتہد اجتہادی بصیرت سے جب کوئی مسئلہ اخذ کرلیتا ہے، تو وہ دوھرے اجر کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ایک اجر اجتہادی سعی کے باعث اور دوسرا درستگیٔ نتیجہ؛ صحیح مسئلہ تک رسائی کے باعث اور اس حدیث کے مفہوم سے متعلق یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ اجر تو اس کو حصولِ علم کے نتیجہ میں پیش آنے والی صعوبت و مشقّت کے عوض اور دوسرا اجر حصولِ علم کے بعد اس پر عمل کرنے کے عوض اور اگر کوئی شخص تحصیلِ علم کو اپنا مشغلہ بنایا، اس کے باوجود محروم رہا اور اسی راہ میں لقمۂ اجل بن گیا، تب بھی ایک

اجر ملے گا، جس طرح سے ایک مجتہد اگر کسی مسئلے کو اخذ کرنے میں غلطی کا شکار ہو جاتا ہے اور صحیح مسئلہ تک رسائی سے محروم رہتا ہے، پھر بھی وہ ایک اجر کا مستحق قرار پاتا ہے، کیوں کہ اس نے اجتہاد کی راہ میں اپنی کوشش و محنت صرف کی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی سعی و کوشش میں ناکام رہا ہے، کیوں کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''انّ اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین'' یعنی اللہ نیک کام میں محنت کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے۔ بہر حال طلبِ علم سے منسلک ہر شخص سعادت منداور فائز المرام ہے۔ علم حاصل ہو گیا اور عمل کی راہ اختیار کی تو دوہرا اجر، اور اگر علم حاصل نہ بھی ہوا تب بھی ایک اجر کا مستحق یقیناً ہوگا۔

علم وحکمت کی بات مؤمن کا گم شدہ سرمایہ ہے

﴿۱۴﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْحَکِیْمِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا. (رواہ ترمذی وابن ماجۃ، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکمت ودانائی کی بات حکمت ودانائی رکھنے والے کی گم شدہ شئ ہے۔ لہذا جہاں بھی اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

﴿تشریح﴾ حکمت ودانائی کی بات سے مراد وہ بات ہے، جو دین و آخرت میں فائدہ دینے والی ہو اور حکیم سے مراد مسلم ومؤمن ہے۔ اب حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ دینی احکام، شرعی ہدایات اور عقبی وآخرت میں کام

آنے والی ہر بات مؤمن ومسلم کا مطلوبِ حقیقی ہے۔لہذا مؤمن اس بات کو جہاں بھی پائے،اس کو لینے کا سب سے بڑا حق دار تصور کرے اور فوراً اس کو قبول کر کے عملی نمونہ پیش کرے، کیوں کہ جس طرح عقل مند آدمی اپنی گم شدہ اور مفید چیز جب بھی اور جہاں بھی پاتا ہے اس کو اختیار کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں کرتا ہے ،اسی طرح مؤمن کو بھی دینی حکمت ودانائی کی بات اپنا گم شدہ قیمتی سرمایہ اور اپنا مطلوب ومحبوب اور اپنے کو اس کا سب سے بڑا حق دار سمجھنا چاہیے اور اس کی دانش مندی کا تقاضا یہی ہونا چاہیے کہ اس کو بغیر چون وچرا کے بالفور قبول کر کے عمل کرنا شروع کردے، چاہے وہ حکمت آمیز اور نفع بخش بات کسی بڑے آدمی یعنی عالمِ دین اور بزرگ سے سنے یا کسی معمولی اور کمتر آدمی سے۔ یہ نہیں کہ اس طرح کی کارآمد بات کسی حقیر وفقیر کی زبان سے سنے،تو اس کو ناقابلِ اعتنا سمجھ کر قبولیت سے انکار کردے چناں چہ بعض عارفین سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی بات حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے جلیل القدر بزرگ عالم وفاضل سے سنی ،تو اس کو قبول کر لی، لیکن اس نے جب وہی بات اپنی کنیز اور باندی کی زبان سے سنی اور اس کو قابل اعتنا وقبول نہیں جانا ،تو وہ شخص متکبر شمار ہوگا۔اس پر فتن اور پر آشوب دور میں جب کہ ہر طرف فساد کاری ،اخلاقی تباہی اور تعلیم سے بعد ودوری کا رونا رویا جارہا ہے اور اہلِ اسلام نے وہ بہت سی باتیں جوان کے لیے دنیا وآخرت میں نفع بخش ثابت ہوسکتی ہیں،ان کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اغیار کی اسلام منافی تہذیب وتمدن کو گلے سے لگا لیا ہے، جو قومِ

مؤمن کے لیے زبردست المیہ اور امتِ محمّدیہ کے لیے لمحۂ فکریہ ہے، نبی کریم ﷺ نے اپنی اس حدیث پاک میں کس درجہ اہمیت کے ساتھ نفع بخش امور کو اختیار کرنے کے لیے امت کی توجہ مبذول کرائی ہے اور ایک ایسی محسوس مثال سے اس مسئلہ کو کس طرح روزِ روشن کی طرح عیاں کیا ہے کہ مؤمن کی نفع بخش گم شدہ چیز، جب اس کے سامنے آتی ہے، تو وہ بڑی عجلت پسندی اور مبادرت و تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھتا ہے اور بلا کسی پس و پیش کے اسے اپنی گم شدہ شئ سمجھ کر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ لہذا کسی بھی مؤمن و مسلم کے لیے یہ بات قطعا زیب نہیں دیتی کہ اس کے سامنے ایک فائدہ مند چیز پیش کی جارہی ہے اور وہ اس سے اعراض وانحراف کرے۔ افسوس صد افسوس ایسے شخص پر کہ جو دنیا و عقبیٰ کی سُرخ روئی سے کنارہ کش اور ہر دو جہاں میں کام آنے والی چیز سے منحرف ہوکر اپنے کو بلید و بے وقوف باور کرتا ہے، دانا سے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ فائدہ بخش اور ثمر آور شئ سے دست کشی اختیار کرے۔

بہرکیف حکمت و دانائی کی باتیں مؤمن کے لیے بہترین اثاثہ اور متاعِ بیش بہا ہے وہ اسے جہاں بھی ملے حاصل کر لینا چاہیے، خواہ مسجدوں، خانقاہوں، علماءِ امت کی مجالس و محافل میں یا جہلا و فقرا اور بادشاہانِ مملکت کے درباروں میں، چوں کہ علم و حکمت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے اور حکیم و دانا کا مقصود و مطلوب یہی ہے ۔ لہذا اسے دینی علوم اور حکمت آمیز باتوں کو حاصل کرنے کے لیے ہر آن تیار و مستعد رہنا چاہئے جیسا کہ کسی گم شدہ چیز کی تلاش

وجستجو میں اس کا مالک سرگرداں رہتا ہے، اور یہی خردمندی کا تقاضا بھی ہے۔

﴿فائدہ﴾ اس حدیث میں رسولِ خدا ﷺ نے طالبانِ علومِ نبوّت کی توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے کہ علمی اور دینی باتوں کا اصل استحقاق تمھیں لوگوں کو حاصل ہے اس لیے ہر ہر جگہ سے، اس علمی اثاثہ کو اپنے پاس اکھٹا کر لینا چاہیے اور حکمت و دانائی کے موتیوں سے اپنے دامن کو بھرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرنا چاہیے اور حکمت آمیز باتوں کی تحصیل میں مبادرت ومسابقت اور ذوق وشوق کے ساتھ پیشِ رفت کرنا چاہیے، تاکہ ثابت ہوسکے کہ یہ اس کے متلاشی ہیں اور علومِ نبوّت کو اپنی گم کردہ شی سمجھتے ہیں۔

علمِ دین کے بنیادی ستون

﴿۱۵﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْعِلْمُ ثَلَاثَۃٌ آیَۃٌ مُحْکَمَۃٌ اَوْ سُنَّۃٌ قَائِمَۃٌ اَوْ فَرِیْضَۃٌ عَادِلَۃٌ وَمَا کَانَ سِوَا ذَالِکَ فَضْلٌ. (رواہ ابوداودو، ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم دین تین چیزیں ہیں (۱) آیتِ محکمہ (۲) سنتِ قائمہ (۳) فریضہ عادلہ اور اس کے علاوہ، جو کچھ بھی ہے وہ زائد و بے معنی ہے۔ (ابوداؤد وابن ماجہ)

﴿تشریح﴾ آیتِ محکمہ سے مراد: قرآن کریم کی وہ آیتیں، جو غیر منسوخ ہوں اور انکے معنی ومراد بالکل ظاہر ہوں۔ متعدد تاویل کا احتمال نہ رکھتی ہوں۔

سنتِ قائمہ سے مراد: وہ احادیثِ نبوی ہیں، جو اپنے متون واسناد کی پوری احتیاط وحفاظت کے ساتھ نقل ہو کر واجب التسلیم اور معمول بہا قرار پائیں ہوں۔

فریضہ عادلہ سے مراد: اجماعِ امّت اور وہ احکام ہیں، جو کتاب وسنّت سے قیاس کے ذریعے مستنبط کئے گئے ہوں۔ یہاں اجماعِ امّت اور قیاس کو فریضہ عادلہ اس لیے کہا گیا کہ ان سے ثابت شدہ احکام کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا اسی طرح واجب وضروری ہے، جس طرح کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ احکام ومسائل پر عمل کرنا واجب وضروری ہوتا ہے ،جیسا کہ لفظِ عادلہ سے بھی یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ اجماعِ امّت اور قیاس سے ثابت شدہ احکام، کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ ﷺ کے مانند اور مشابہ ہیں۔اس کے علاوہ بعض لوگوں نے فریضہ عادلہ سے مراد علم فرائض بھی لیا ہے۔ یہاں پر یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ علمِ دین کے اصل مآخذ چار چیزیں ہیں: (۱) کتاب اللہ (۲) سنّتِ رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع (۴) اور قیاس؛ چناں چہ دینی علوم ومعارف کی ساری عمارت انھیں چار ستون پر کھڑی ہیں اور تمام اسلامی علوم واصول اور دینی احکام وہدایات انھیں میں سے کسی ایک کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں اور اگر کوئی چیز ان مذکورہ اصول میں موجود نہ ہو، تو اسے بدعت اور خارج از دین قرار دیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشیں کر لینی چاہیے کہ حدیث میں مذکور آیتِ محکمہ کا یہ مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان کے علاوہ قرآن کریم میں جو متشابہ آیات ہیں، ان کا علم یعنی قرات اور ان کا پڑھنا بے سود وبے معنی اور ایک فضول چیز ہے، بل کہ آیتِ محکمہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے محکم آیات کو اُمّ الکتاب قرار دیا ہے، کیوں کہ احکام ومسائل کا استنباط واستخراج انھیں آیتِ محکمہ سے ہوتا ہے اور ائمۂ

مجتہدین، احکام و مسائل بیان کرتے وقت استدلال آیاتِ محکمہ ہی سے کرتے ہیں، کیوں کہ احکام شرعیّہ کی اصل انھیں آیتوں کو قرار دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر مفسرّین نے متشابہ آیات کے علم کو اللہ کے حوالہ کر دیا اور ان سے کسی طرح کا تعرض نہیں کیا۔ یہی صحیح طریقہ بھی ہے، جو رسولِ خدا ﷺ اور صحابۂ کرام سے متوارث طریقہ پر ہم تک پہنچا ہے۔ رہا سنّتِ نبویّہ، تو اس کے تحت وہ تمام فقہی مسائل داخل ہیں، جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط و مشتمل ہیں اور جن پر عمل ناگزیر اور ضروری ہے، احادیث نبویّہ کے تمام ذخیرے ہمہ وقت و ہر آن انسانی زندگانی اور حیاتِ مستعار کے تمام گوشوں کے لیے ہدایت کے گل دستے پیش کر رہے ہیں، جو حقیقت میں اسلامی زندگی و حیات دینی کے لیے مشعلِ راہ و سنگِ میل کا مقام رکھتے ہیں۔ لہذا وہ تمام ذخیرۂ احادیث سنّت قائمہ کے تحت داخِل ہیں، جو صحیح متون و اسناد کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں اور ان تمام احادیث کو اپنی عملی زندگی میں داخِل کرنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ قائمہ کا لفظ اس طرف مشیر ہے، اسی طرح فریضۂ عادلہ ؛ یعنی اجماع اور قیاس سے ثابت شدہ احکام کو حق جاننا اور ان کو عملی جامہ پہنانا اسلام کا اہم ترین حصّہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس نے حدیث میں مذکور علومِ ثلاثہ کو جان لیا اور ان کو سیکھ لیا تو اس نے دین کا علم حاصل کر لیا اور ان کے علاوہ باقی چیزوں کا علم سیکھنا اور جاننا دینی اعتِبار سے زائد اور اخروی طور پر لا حاصل ہے، لیکن آج مسلم معاشرہ کا یہ المیہ ہے کہ ہمارے بیش تر بچے اسکول اور کالج کی تعلیم حاصل کر کے مختلف علوم و فنون میں کمال پیدا کرنے

میں لگے ہیں اور دینی علوم ومعارف سے یکسر خالی اور لاعلم رہتے ہیں، جب کہ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ پہلے اسلامی علوم میں مہارت حاصل کی جاے اس کے بعد زوائد کو حسبِ ضرورت حاصل کیا جاے۔

علمِ دین کا طالب کبھی شکم سیر نہیں ہوتا

﴿۱٦﴾عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْهُوْمَانِ لَايَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِیْ الْعِلْمِ لَايَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِیْ الدُّنْيَا لَايَشْبَعُ مِنْهَا (رواه البيهقی فی شعب الايمان،مشكوٰة)

﴿ترجمہ﴾حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بھوکے حریص کبھی سیر نہیں ہوتے، ایک تو علم کی بھوک اور حرص رکھنے والا شخص کہ وہ علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور دوسرا دنیا کی بھوک اور حرص رکھنے والا کہ اس کا پیٹ دنیا سے کبھی نہیں بھرتا۔(بیہقی فی شعب الایمان)

﴿تشریح﴾علم کا متلاشی وطلب گارعلم کے تئیں ہمیشہ اپنی تشنگی کا احساس کرتا رہتا ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً " اے نبی کہہ دیجئے کہ میرے علم میں اضافہ فرما! یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم میں زیادتی کی طلب اور جذبہ ہمیشہ موجزن رہنا چاہیے، کیوں کہ علم کی کوئی انتہا نہیں ہے، اگر طالبِ علم دینی علوم کے کسی ایک گوشہ کو حاصل کر لیتا ہے، تو فوراً دوسرے گوشہ کو حاصل کرنے کے لیے کوشاں اور فکر مند ہو جانا چاہیے۔اس کرۂ ارضی کے اوپر ایسی یگانۂ روزگار ہستیاں بھی

گزر چکی ہیں، جو در حقیقت جبالِ علم کہی جاتی تھیں، مگر کسی بھی عصر و مصر
میں کسی کو یہ مجال دعویٰ اور یہ جرأت و ہمت نہ ہوسکی کہ خود کو ہمہ بیني و ہمہ دانی
کے زعم میں آ کر انھوں نے عہدہ برآ ور اور شکم سیری کا اظہار کیا ہو، کیوں کہ عملی
ذوق وشوق رکھنے والے کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے واضح انداز میں
بیان کر دیا ہے کہ یہ ایسا حریص و بھوکا ہوتا ہے کہ جو علمی بھوک سے کبھی تسکین
حاصل نہیں کرتا، بل کہ ہمیشہ علم کی بھوک محسوس کرتا رہتا ہے، اگر کسی نے علمی
میدان میں خود کو عظیم المرتبت قرار دیا بھی، خواہ وہ حق بجانب ہی کیوں نہ ہو، تو
اس پر بھی اللہ نے گرفت فرمائی۔ حضرت موسیٰؑ کا واقعہ اس سلسلے میں خود قرآن
اور ”اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ“ بخاری شریف میں تفصیل کے ساتھ
مذکور ہے۔ حقیقت میں موسیٰؑ اس وقت اپنی قوم میں سب سے بڑے عالم تھے
اور ابھی اس کا زبان سے اظہار ہی کیا تھا کہ اللہ نے آپ پر گرفت فرمائی۔

قرآن تو اس بارے میں ایک اصولی بات بیان کرتا ہے: ”وَفَوْقَ کُلِّ
ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ“ ترجمہ: ”ہر علم والے سے بڑھ کر بھی عالم ہے“ اس سے
معلوم ہوا کہ علم ایک بحرِ ناپید ہے، جس کی اتھاہ گہرائیوں تک کوئی شناور رسائی
کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی جادۂ پیمائی ممکن ہے، اس لیے ہر علم کا
متلاشی درجہ بدرجہ ترقی ضرور کرتا رہتا ہے اور اپنے شوق و جذبہ کے مطابق
حصولِ علم اور زیادتیِ علم کی سعی و کوشش کرتا رہتا ہے، مگر یہ ایک ایسی لذیذ غذا
ہے کہ علم کا طالب، جس سے آسودہ اور شکم سیر ہوتا ہی نہیں، بل کہ ہمہ وقت

اس کا حریص و بھوکا رہتا ہے ،اسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے اپنے حکیمانہ اسلوب میں بیان فرمایا" مَنْهُوْمٌ فِيْ الْعِلْمِ لَايَشْبَعُ مِنْهُ"

دوسرا شخص وہ ہے، جو دنیا طلبی کا شکار ہو جاتا ہے،تو اس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا ،بل کہ ہمیشہ مال ومنال کی حرص وہوس اور دولت وثروت کی تلاش وجستجو اسے جمع مال کے لیے برانگیختہ وآمادۂ طلب رکھتی ہے۔ دنیا کا حریص و لالچی کبھی دنیا سے سبکدوشی کا اظہار نہیں کرتا، اس کے لیے ہر طرح کے آلام ومصائب اور تمام تر صعوبتوں و پریشانیوں کو برداشت کر لیتا ہے ہر پر پیچ وادی اور ہلاکت خیز صحرانوردی سے بھی وہ گریز نہیں کرتا اس کا مقصد تو حصولِ مال اور طلبِ دنیا ہوتا ہے، وہ اسے کسی بھی شکل میں حاصل ہو، چاہے اسے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا پڑے پھر اسے دنیا سے کتنا ہی حصہ وافر مل جائے وہ شکم سیر نہیں ہوتا۔ دنیا سے کبھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا ،اسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:"وَمَنْهُوْمٌ فِيْ الدُّنْيَا لَايَشْبَعُ مِنْهَا" کہ دنیا کا حریص وبھوکا شخص کبھی دنیا سے شکم سیر نہیں ہوتا؛ حالاں کہ دنیاوی مال ودولت کا حریص ہونا ،انتہائی مذموم فعل ہے، جب کہ علمِ دین کا حریص ہونا نہایت ہی محمودو مستحسن عمل ہے۔ اللہ ہم سب کو علمِ دین کا حریص بنائے۔ (آمین!)

علم سیکھ کر نشر واشاعت کرنے والا قیامت کے دن امیر کی شکل میں آئے گا

﴿۱۷﴾ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ﷺ هَلْ تَدْ رُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْداً قَاْ لُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﷺ اَعْلَمُ قَالَ اَللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْداً ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ آدَمَ وَاَجْوَدُ هُمْ مِنْ بَعْدِیْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْماً فَنَشَرَهٗ یَاْ تِیْ یَوْ مَ الْقِیَامَةِ اَمِیْراً وَحْدَهٗ اَوْ قَالَ اُمَّةًوَّاحِدَةً. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

﴿ترجمہ﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کومخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ سب سے بڑا سخی کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا؛ اللہ اور اس کا رسول اللہ ﷺ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سب سے بڑا سخی ہے، پھر بنی نوعِ انسان میں سب سے بڑا سخی میں ہوں اور میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہے، جس نے علم حاصل کیا، پھر اس کی نشر واشاعت کی۔ قیامت کے دن ایسا شخص تنہا امیر بن کر آئے گا۔ یا آپ نے یہ فرمایا کہ وہ ایک گروہ بن کر آئے گا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

﴿تشریح﴾ اس حدیث میں سب سے بڑا سخی خداوند تعالیٰ کو قرار دیا گیا ہے، جس کی وجہ اظہر من الشّمس ہے، کیوں کہ از فرش تا عرش رب العالمین کی سخاوت وسماحت ہر چیز میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ انسانی کمال وجمال مخلوقات کے لیے قیام وطعام راحت وآرام، آرائش وزیبائش اور کائناتِ دو جہاں کی ہر ہر شئ میں اللہ کی صنّاعی وکاریگری اور سخاوت آمیزی کا نور پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہا ہے، انسان کی رشد وہدایت کے لیے انبیا جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستیاں مبعوث فرمانا، اس سے بڑھ کر سخاوت اور

کیا ہوسکتی ہے، نیز نفوسِ انسانی کی صلاح وفلاح کے لیے حیات آفریں پیغام اور روح پرور فرمان عطا کر کے اللہ نے اپنی غایت درجہ سخاوت و جودت کا واضح ترین نقشہ اہلِ علم کے سامنے تحفہ کی طرح پیش فرمادیا۔ الغرض جس سمت، جس گوشہ اور جس زاویہ سے بھی نظر ڈالیے اللہ کی لامتناہی جودت و سخاوت کا پر کیف منظر سامنے آجائے گا۔

ربُّ العٰلمین کے بعد بنی نوعِ انسانی میں سب سے بڑا سخی نبی کریم ﷺ نے خود کو قرار دیا اور یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی آمد مبارک قیامت تک آنے والی نسل کے لیے سرچشمۂ رشد و ہدایت اور منبعِ جود وسخاوت ہے۔ ضیافت اور مہمان نوازی کا میدان ہو یا جود وسخاوت کا موقع ہو، امداد و بخشش کا محل ہو یا علم و عمل کی دنیا ہو، اولادِ آدم کی فلاح و بہبود کا منظر ہو یا ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے دعوت و تبلیغ کی ضرورت ہو، ہر جگہ آپ ﷺ کی جود وسخا کا روح پرور نقشہ اپنی تمام تر جلوہ سامانی کے ساتھ نظر آئے گا۔

اس کے بعد جس شخص کو آپ نے سب سے بڑا سخی قرار دیا وہ تحصیلِ علم کے بعد اس کی نشر و نشاعت کرنے والا شخص ہے، یہاں یہ بات واضح رہے کہ علوم دینیّہ کی نشر و اشاعت کے زمرہ میں وعظ و تقریر، دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس، تصنیف و تالیف یہ تمام ہی صورتیں داخل ہیں ایسے ہی شخص کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن امیر و سردار بن کر آئے گا۔ آگے راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے "اَمِیْـراً وَحْدَہٗ" فرمایا کہ وہ تنہا امیر بن کر آئے گا یا آپ نے "اُمَّۃً وَاحِــدَ ـۃً" فرمایا۔ بہر حال یہ دونوں تعبیریں

اس کی مقبولیت و پذیرائی اور شرافت و کرامت کو واضح کر رہی ہیں، کیونکہ کبھی تنہا شخص پر بھی اس کی حسنِ کارکردگی، اخلاص و للّٰہیت اور قابلِ قدر عمل کی بجا آوری پر "اُمَّةً" کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے سلسلے میں یہ تعبیر استعمال کی گئی ہے "اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيْفاً"، چناں چہ حدیث میں بھی اس شخص "اُمَّةً" کہنے کا یہی مفہوم ہے کہ وہ تنہا شخص ایک گروہ کی حیثیت کا حامل ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کی وجہ سے، جو لوگ دنیا میں راہ راست پر ہوں گے وہ تمام لوگ قیامت کے دن اس کی اتباع کرتے ہوئے اس کے پیچھے چلیں گے اور وہ شخص ان کی قیادت کرتے ہوئے امیر و سردار کی شکل میں دربارِ خداوندی میں حاضر ہوگا۔ یقیناً یہ اس کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے، جو علمِ دین کی برکت سے میسر ہوگا۔

چالیس حدیثیں امت تک پہونچانے والے کی فضیلت

﴿۱۸﴾ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاحَدُ الْعِلْمِ الَّذِیْ اِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيْهًا فَقَالَ رسو لُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِی اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِیْ اَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيْهًا وَكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَافِعًا وَشَهِيْدًا. (رواه البیهقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ علم کی وہ کونسی مقدار اور حد ہے، جس تک پہونچ کر آدمی

فقیہ ہو جاتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری امت کے نفع کے لیے دینی امور سے متعلق چالیس حدیث یاد کرلے تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اسے فقیہ بنا کر اٹھائیں گے اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا اور اس کی نیکی و بھلائی پر گواہی دینے والا ہوں گا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

﴿تشریح﴾ اس حدیث کی وضاحت میں علما نے لکھا ہے کہ چالیس حدیثوں کا لوگوں تک پہونچانا ہے، خواہ وہ یاد ہوں یا نہ ہوں واضح رہے کہ اس حدیث کے پیش نظر علما نے چالیس حدیثیں عوام الناس کی نفع رسانی کے لیے تالیف فرما کر رسول اللہ ﷺ کی اس عظیم بشارت کے امیدوار ہوئے ہیں، کیوں کہ ایک مؤمن کے لیے اس سے بڑھ کر سعادت عظمیٰ اور کیا ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدس شفاعت کی ذمہ داری لے لے اور اس کے ایمان واعمال کا تزکیہ فرما کر خیریت کی گواہی دیدے۔ مؤمن کی اصل کامیابی بھی یہی ہے اور اتنی بڑی کامیابی صرف چالیس حدیث یاد کرکے یا صفحۂ قرطاس پر تحریر کرکے لوگوں تک پہونچانا ہے۔ اگر غور کیا جائے، تو یہ کتنا سستا سودا ہے۔ لہذا اس عملِ خیر میں ہر مؤمن کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، خاص طور پر طالبانِ علوم نبوت کو تو چالیس حدیث دورانِ تعلیم ضرور یاد کرلینا چاہیے اور موقع بموقع لوگوں کے درمیان بیان کرتے رہنا چاہیے، اگر کسی وجہ سے یاد نہ ہو سکے، تو کم از کم لکھ کر ہی لوگوں کے درمیان تقسیم کردیں اور کیا ہی بہتر ہوتا کہ ذمہ دارانِ مدارس طلبۂ عزیز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم بشارت کے پیش نظر چالیس احادیث نبوی حفظ کرنے کا مکلّف بنا

دیں، بہت ممکن ہے کہ اللہ رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے نوازدے جو تمام مؤمن کے لیے میدانِ حشر میں سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حدیث پر اخلاص کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین!)

طالبِ علم اور طالبِ دین کی تین قسمیں

﴿۱۹﴾ عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِی ﷺ قَالَ مِثلُ مَابَعْثَنِیَ اللّٰهُ بِہٖ مِنَ الْھُدَیٰ وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الغَیثِ الکثیرِ اَصابَ اَرْضًا فَکَانَ مِنْھَا نَقِیّةً قَبِلَتِ الْمَاءَ فَانبتِ الکلاءَ وَالعَشْبَ الْکَثِیْرَ وَکَانتْ مِنْھَا اَجَادِبَ اَمْسَکتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِھَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْھَا طَائِفَةً اُخْرَیٰ اِنّمَا ھِیَ قِیَّعَانٌ لاَ تُمْسِکُ مَاءً وَلاَ تُنْبِتُ کَلأًفذالک مَثَلُ مَنْ فَقِہَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَہُ بِمَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِہٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ یَرْفَعْ بِذَالِکَ رَأسًا وَلَمْ یَقْبَلْ ھُدَی اللّٰهِ الَّذِی اُرْسِلتُ بِہٖ وَکَانَ مِنْھَا طَائِفَةٌ قَبِلَتِ الماءَ قَاعٌ یَعْلُو الماءَ والصَفْصَفَ الْمُسْتَوِی مِنَ الاَرْضِ۔ (متفق علیہ) (انوارِ ھدایت)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آپ سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو علم وہدایت دے کر اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا، اس کی مثال اس تیز بارش کی سی ہے، جو زمین پر برسی ہو، چناں چہ زمین کا جو قطعہ اچھا اور صاف ستھرا تھا، اس نے بارش کا پانی قبول کرلیا؛ یعنی

اپنے اندر جذب کرلیا، پھر اس نے گھاس اور ہرا چارہ خوب اگایا اور زمین کا جو حصہ سخت تھا، اس نے پانی کو روک رکھا، جس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع پہنچایا، بایں طور کہ وہی پانی ان کے پینے پلانے اور ان کی کھیتی باڑی کے کام آیا، نیز (اس بارش کا پانی زمین کے) ایک ایسے قطعہ پر بھی برسا جو بے کار اور چٹیل کے علاوہ کچھ نہ تھا، چناں چہ اس نے نہ تو پانی کو روکا اور نہ گھاس اور چارہ اگایا پس ان (مذکورہ مثالوں) میں اس شخص کی مثال ہے، جس نے اللہ کے دین کو سمجھا اور اس علم و ہدایت نے اس کو نفع پہنچایا جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے، چناں چہ اس شخص نے (کتاب اللہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کو) خود بھی جانا سیکھا اور دوسروں کو بھی بتایا سکھایا اور اس شخص کی بھی مثال ہے، جس نے (تکبر اور سرکشی کا رویہ اختیار کرکے) اس (کتاب اللہ سنتِ رسول اللہ ﷺ) کی طرف دیکھنے کے لیے سر نہیں اٹھایا اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا، جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

﴿تشریح﴾ اس حدیث کے اندر رسول اللہ ﷺ کے علم و ہدایت کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور جن لوگوں کے سامنے علم و ہدایت کی باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ زمین کے درجے میں ہیں اور زمین کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) وہ زمین جو نہایت زرخیز ہوتی ہے، جب بارش برستی ہے، تو وہ زمین پانی کو جذب کرکے پھل دار درخت، عمدہ ترین کھیتی اور خوب ہریالی اگاتی ہے، جس کے نتیجے میں ہر مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔

(۲) وہ زمین جو بہت سخت ہے اور نشیب میں ہے، جب بارش ہوتی ہے

،تواس کا پانی اس میں جمع ہو جاتا ہے،جیسا کہ تالاب،جھیل اورنالا وغیرہ میں،مگر اس میں کوئی چیز اُگتی نہیں ہے، البتہ اس کے پانی سے انسان، جانوراور چرند پرندفائدہ اٹھاتے رہتے ہیں،گویااس زمین نے جوں کا توں پانی کومحفوظ رکھا۔

(۳)وہ زمین جوچٹیل میدان کی طرح بہت سخت ہےاس زمین میں نہ تو پانی رکتا ہے اور نہ ہی اس کے اندر جذب کرنے کی صلاحیت ہے، جب بارش ہوتی ہے،تو سارا پانی بہہ کر چلا جاتا ہے،جس کی وجہ سے لوگ فائدہ اٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق، جن لوگوں کے سامنےعلمِ دین پیش کیا جاتا ہے،ان کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ انسان جونہایت ہی ذہین ہےاورعلوم دینیہ کی ہر بات کوزرخیز زمین کے مانند جذب کرلیتاہے، پھراس پرعمل کرکےخودکودنیوی اوراخروی دونوں اعتبار سے فلاح یاب ہوتاہے اوراپنی ذہانت وفطانت کی وجہ سے جذب کردہ تمام احکام ومسائل کو دلائل کی روشنی میں لوگوں کے سامنے پیش کرتاہے،جس کے نتیجے میں لوگوں کوخوب فائدہ پہونچتاہے، چناں چہ ایسے شخص کی مثال اس زمین کے مانند ہے،جس نے بارش کا پانی جذب کرکے خودبھی نباتات وغیرہ اگایااوردوسروں کوبھی فائدہ پہنچایا۔

(۲)دوسراوہ انسان جوقرآن وحدیث کی باتیں سن کرمحفوظ تو کرلیتا ہے،مگراس کی گہرائی میں پہونچ کرروایت ودرایت میں غوروفکر کی صلاحیت نہیں رکھتاہے، البتہ دوسروں کوبعینہٖ بتلادیتاہے،جیسا کہ غیرمفتی اورغیرفقیہ محدّث کا حال ہوتاہے کہ اس نے یادتوکرلیا،مگراس کی گہرائی میں پہنچ کراصل

مطلب نکالنے پر قادر نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی مثال دوسری قسم کی زمین کی طرح ہے، جس کے اندر بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے اور لوگ اپنی ضروریات کے لیے اس میں سے پانی لے کر استعمال کرتے رہتے ہیں، بالکل اسی طرح محدث کا حال ہے کہ اس سے ہر قسم کے لوگ حدیثیں حاصل کر کے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں اور فقہی بصیرت رکھنے والے لوگ اس سے حدیث لے کر احکام و مسائل کا استنباط بھی کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا وہ انسان، جو نبی کی ہدایات اور اسلامی تعلیمات کو سن کر کچھ یاد نہیں رکھ پاتا اور نہ ہی کسی صحیح بات پر عمل کر سکتا ہے، گویا وہ جذب کرنے کی صلاحیت سے بالکل کورا ہے۔

اس کی مثال تیسری قسم کی اس چٹیل اور کھنڈر زمین کی طرح ہے، جس میں بارش کا ایک قطرہ پانی بھی نہیں رکتا ہے اور نہ ہی اس کے اندر جذب کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

مذکورہ حدیث شریف سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ طالبِ علم اور طالبِ دین کی تین قسمیں ہیں، اس لیے طالبانِ علمِ دین سے گذارش ہے کہ پہلے قسم کے طالب علم بن کر پوری دنیا کو زرخیز زمین کی طرح فائدہ پہونچائیں اگر یہ نہ ہو سکے، تو کم از کم دوسری قسم کے طالبِ علم ضرور بن جائیں، تاکہ لوگ آپ کے علمی تالاب سے لوگوں کو سیراب کر سکیں مگر تیسری قسم کے انسان نہ بنیں، کیوں کہ اس میں بالکل ہی فائدہ نہیں ہے۔

احیاءِ اسلام کے لیے طلبِ علم کی فضیلت

﴿۲۰﴾عَنْ الْحَسَنِ مرْسلاًقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺمَنْ جاءَهُ الـمُـوتُ وَهُـوَيَطْلَبُ العلمَ لِيحىَ بِهٖ الاسلامَ فَبيْنَهٗ وبيْنَ النبين دَرَجَةٌوَاحِدَةٌ فِى الْجَنَّةِ.(رواه الدارمى،مشكوٰة)

﴿ترجمہ﴾حضرت حسن بصریؒ سے بطریق ارسال مروی ہے،وہ بیان فرماتے ہیں کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: جس شخص کی موت اس حال میں آئی کہ وہ علم کو بایں وجہ طلب کررہا تھا کہ اس کے ذریعے سے احیاءِ اسلام کا کام کرے گا،تواس کےاورانبیا کےدرمیان جنت میں ایک درجہ کافرق ہوگا(دارمی)

﴿تشریح﴾علم کی تحصیل وطلب اگر دنیاوی اغراض ومقاصد کے علاوہ صرف احیاءِ اسلام اور دین کی اشاعت وسربلندی کے لیے ہو،تو ایسے شخص کے حق میں رسول اللہ ﷺکی زبانِ مبارک سے اس حدیث میں یہ عظیم بشارت دی گئی ہے کہ اس شخص کو جنت میں اتنا اہم مقام عطا کیا جائے گا کہ اس کےاورانبیا کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا اور محدثین کی تشریح کے مطابق وہ نبوت کا درجہ ہوگا،جس کے باعث انبیاءِ کرام بلند مقام پر فائز ہوں گے۔اس حدیث سے یہ بھی پیغام مل رہاہے کہ انسان حصول علم سے قبل خلوصِ نیت کے ساتھ متصف ہوجائے اور محض رضائے الٰہی اوراحیاءِ اسلام کی غرض سے ہی طلبِ علم میں مشغول ومنہمک رہے،تو ایسے شخص کے لیے یہ مژدہ و بشارت ہے کہ وہ جنت میں مقامِ رفیع پر جلوہ افروز ہوگا۔ لہٰذا طالبانِ علومِ نبوت کو اپنی نیت ہرطرح کے دنیاوی جاہ ومنصب سے خالی

رکھ کر فقط رضائے الٰہی اور احیاءِ اسلام ہی میں منحصر کر لینی چاہیے۔

طالبانِ علمِ دین کے بارے میں صحابہؓ کو ایک وصیت

﴿۲۱﴾ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبْعٌ وَاِنَّ رِجَالاً یَّاْتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الاَرْضِ یَتَفَقَّھُوْنَ فِی الدِّیْنِ فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصَوْ بِھِمْ خَیْرًا. (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے (صحابۂ کرام کو مخاطب کر کے) فرمایا: دیکھو لوگ تمھارے تابعدار ہیں، (کیوں کہ میرے بعد میری امت کے افراد تمھیں اپنا مقتدیٰ سمجھیں گے) اور سنو! بہت سے حضرات اطرافِ عالم سے دین کا علم وفہم حاصل کرنے کے لیے تمھارے پاس آئیں گے، لہٰذا جب وہ تمھارے پاس آئیں، تو ان کے ساتھ خیر خواہی اور حسنِ سلوک کرنے میں میری وصیت کو قبول کرو! (ترمذی)

﴿تشریح﴾ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس مبارک ارشاد میں صحابۂ کرام کو طالبانِ علومِ نبوت کے سلسلے میں ایک اہم زرّیں نصیحت فرمائی، جس سے طالبانِ علمِ دین کی غیر معمولی فضیلت مترشح ہو رہی ہے، چناں چہ آپ نے فرمایا کہ لوگ تمھارے تابع ہیں؛ یعنی میرے بعد لوگ دینی امور میں تمھارے افعال واقوال کی پیروی کریں گے، کیوں کہ آپ لوگوں نے بالمشافہ مجھ سے دینی احکام، علمی باتیں، اور عمدہ اخلاق وعادات حاصل کیا۔

اس لیے بعد میں آنے والے میرے امتی تمہیں اپنا راہبر و مقتدیٰ بنائیں گے اور اطرافِ عالم سے تمھارے پاس آکر تفقہ فی الدین حاصل کریں گے اس پیش گوئی کے بعد آں حضرت ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو یہ ہدایت فرمائی کہ جب لوگ تمھارے پاس علمی تشنگی بجھانے کے لیے آئیں، تو اس وقت کے لیے یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم ان کے ساتھ ہمدردی، رواداری، الفت و محبت اور خیر خواہی کا معاملہ کرنا اور آپ ﷺ نے تعبیر یہ اختیار فرمائی کہ آپ حضرات طالبانِ علوم نبوت کے سلسلے میں خیر خواہی کی وصیت کو قبول کرلو۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے لون و رنگ اور قومیت و علاقائیت کی سطح سے اوپر اٹھ کر یہ فرمان جاری کیا ہے کہ تفقہ فی الدین کی تلاش و جستجو میں، جو بھی نکلا ہو، خواہ وہ کسی بھی خاندان و قبیلے سے تعلق رکھتا ہو، اس صفحۂ ہستی کے کسی بھی گوشے کا باشندہ ہو۔ بہر حال ایک طالبِ علم ہونے کی حیثیت سے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے، اسی لیے (رِجَالًا یَأْتُوْنَکُمْ) میں "رجل" کی جمع "رجـــال" کو مطلق رکھا ہے، جس میں تمام ہی بنی نوعِ آدم شریک ہیں، اگر جنسِ عورت طالبہ ہو، تو اس حدیث سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کی جائے، کیوں کہ ان کا تذکرہ اس میں نہیں ہے، بل کہ درحقیقت وہ بھی اس میں تغلیبا داخل ہیں، اس لیے "رجال" کا لفظ استعمال کیا گیا۔

"مِنْ اَقْطَارِ الْأَرْضِ" اس سے ثابت ہوا کہ اطرافِ عالم کے کسی بھی خطّہ اور علاقہ کا طالبِ علومِ نبوّت ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تاکید کے مطابق خیر خواہی اور حسنِ سلوک کا بغیر کسی امتیاز کے برابر کا مستحق ہے، کیوں

کہ ہر طالبِ علم، حصولِ دین اور مہمانِ رسول اللہ ﷺ ہونے کے باعث مقربانِ بارگاہِ الٰہی میں سے ہے، ظاہر ہے، جو ایسے شخص کے ساتھ خیر خواہی کرے گا وہ بھی تقرّبِ خداوندی کے مقام پر فائز ہو جائے گا اور جو بدخواہی کا ارادہ کرے گا، اس پر اللہ کی طرف سے عتاب کا نازل ہو جانا، کوئی مستبعد نہیں ہے۔ لہذا یہ حدیث نسلی، قومی، علاقائی اور برادری کے نام پر تعلیم دینے والوں کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے، جو اپنائیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر تعلیماتِ نبویہ کو فراموش کر بیٹھتے ہیں اور ہر اجنبی غیر برادری یا غیر ملکی طالبِ علم سے بدسلوکی کرتے ہیں، یا اسے اپنے اوپر بار سمجھ کر شفقت و عنایت سے گریز کرتے ہیں اور نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھتے رہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد قیامت تک کے لیے طالبانِ علومِ نبوت کے حق میں بلاتفریق خیر خواہی کی تاکید کرتا ہے۔

اغراضِ فاسدہ کے لیے علم حاصل کرنے والے کے بارے میں وعید

﴿۲۲﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یُبْتَغٰی بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا یَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِهٖ عرضًا مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ یوم القِیَامَةِ یَعْنِی رَیْحَهَا. (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجة، مشکوٰة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اس علم کو سیکھا، جس کے ذریعہ اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے مگر اس نے صرف اس غرض سے سیکھا کہ اس علم کے ذریعے دنیا کی متاع

حاصل کرے گا، تو اس کو قیامت کے دن عرف جنت یعنی جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی۔ (احمد، ابوداؤد، وابن ماجہ)

﴿تشریح﴾ نیت کسی بھی عمل میں اصل اور بنیاد کا مقام رکھتی ہے اس کے فساد سے ہر عمل میں فساد ہو جائے گا۔ علم کا سب سے اہم مقصد رضائے الٰہی اور خوشنودئ خداوندی کا حصول ہے اور علم دین کی اہمیت وفضیلت کے پیش نظر یہی موزوں اور مناسب بھی ہے کہ اس سے اللہ کی رضا حاصل کی جائے، اگر کوئی شخص اسے اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس سے دنیوی مال ومنال یا جاہ و منصب حاصل کرے، تو اس سے بڑھ کر احمق ونادان کون ہوسکتا ہے۔ یہ تو اس شخص کے مانند ہے، جو اس گولی کو جس سے شیر کا شکار کرنا چاہیے، چیونٹی پر مار کر برباد کررہا ہے "مما یبتغی بہٖ وجہ اللّٰہ" کے واضح الفاظ اس طرف مشیر ہیں کہ طلب علم دین کا مقصد ہی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔

اگر کوئی شخص اس اہم مقصد سے انحراف کرتے ہوئے کسی ایسے مقصد میں اس کا استعمال کرے گا، جو شرعی حدود ودائرے سے خارج ہے، تو ایسا شخص مجرم گردانا جائے گا اور جرم کی پاداش میں لامحالہ مستحق عتاب وعذاب ہوگا، چناں چہ نبی اکرم ﷺ نے ایسے شخص کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا: "لَمْ یَجِدْ عرفَ الجَنَّۃَ یومَ القِیَامَۃِ"، کہ قیامت کے دن جنت میں داخل ہونا تو درکنار جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی۔ یہ الفاظ مذکورہ شخص کی مذمت اور برائی کو زیادہ سے زیادہ پر تہدید انداز میں بیان کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں، جن کا لفظی مفہوم دخولِ جنت سے اس شخص کی مکمل محرومی کو ظاہر

کررہا ہے، لیکن حقیقت میں یہاں پر یہ مفہوم مرادنہیں ہے دراصل نبی اکرم ﷺ کا منشا پُر زور انداز میں اس کی قباحت کر کے دنیاوی مقاصد سے منحرف ہوکر رضائے الٰہی کے لیے حصولِ علم پر ابھارنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے جرم کی پاداش میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے مخلص ومقرب بندوں کے ساتھ ابتدا میں دخول جنت سے محروم رہے گا، بل کہ اسے جہنم رسید کیا جائے گا جب وہاں جہنم کی بھٹی میں تپ کر گناہوں سے پاک وصاف ہو جائے گا، تو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ علم کو کسی غیر شرعی مقصد کے لیے حاصل کیا جائے گا، تو اس سے علم کے تمام تر اثرات وفوائد ختم ہو جائیں گے، اگر چہ بظاہر انسان انھیں فوائد تصور کرتا ہو، لیکن شریعت کی نظر میں وہ فوائد ذرا بھی اہمیت نہیں رکھتے مثلاً علم کو سبب بنا کر اس سے دنیاوی جاہ ومنصب حاصل کر لیا، یا اس کو وسیلہ بنا کر دنیاداری میں فوقیت لے گیا، یا اسکے ذریعے سے وہ خود کو عالم کہلانے پر کبر ونخوت عجب وانانیت میں مبتلا ہو گیا، تو یہ سب وہ چیزیں ہیں، جو شریعت کی نظر میں ہیچ ہیں، گویا اس طرح کے حقیر مقاصد کے پیچھے پڑ کر اس نے علم کے اس فائدے ونورانیت کو ختم کر دیا، جو اسے آخرت میں بامِ عروج اور کمال وبلندی پر گامزن کرنے والا تھا اس لیے ہر طالب علم کو اخلاص وللّٰہیت کی غرض سے علم حاصل کرنا چاہیے، اگر نیت صالح ہوگی، تو دنیاوی چیزیں از خود بغیر نیت کے ہی حاصل ہو جائیں گی اس طرح وہ دنیا وعقبیٰ دونوں جگہ کامران رہے گا۔ یہاں پر یہ واضح رہے کہ دینی علم کو کسی دنیاوی

غرض کی خاطر حاصل کرنا قبیح ہے، اگر کوئی شخص کسی دنیوی علم کو، جس پر شریعت کی طرف سے کوئی بندش نہ ہو، دنیوی غرض یا ذریعہ معاش کے لیے حاصل کرتا ہو، تو وہ اس وعید کے تحت داخل نہیں ہے۔

علماءِ حق سے مجادلہ اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے علم حاصل کرنا موجبِ جہنم ہے

﴿۲۳﴾ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهٖ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِيْ بِهٖ السُّفَهَاءَ اَوْ يَصْرِفَ بِهٖ وُجُوْهُ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ. (رواه الترمذی و ابن ماجة، مشكوٰة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماءِ دین سے مقابلہ کرے، یا بے وقوفوں سے بحث و نزاع کرے، یا لوگوں کو اپنی شخصیت کی طرف متوجہ کرے، تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دے گا۔

﴿تشریح﴾ حصولِ علم یقیناً ایک مستحسن اور محمود عمل ہے، مگر ظاہر ہے کہ ہر عمل کا دار و مدار نیت پر ہے، اگر نیت صالح ہے، تو عمل بھی قابلِ قبول اور لائقِ تحسین ہوگا اور اگر نیت میں فتور و فساد ہے، تو عمل بھی لائقِ رد اور قبیح قرار پائے گا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اس مقصد کے لیے علم حاصل کیا کہ میں اس علم کے ذریعہ علماءِ حق سے بحث و مباحثہ اور مقابلہ آرائی کروں گا اور ان کے اوپر

اپنی فوقیت و برتری کا اظہار کروں گا، تو اس کا یہ عمل ہلاکت کا باعث بن جائے گا اور اس کا یہ علم، جو اخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر رفعِ درجات کا سبب بن سکتا تھا، اب فسادِ نیت کی وجہ سے دخولِ جہنم کا باعث بن جائے گا۔ اس جگہ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ علماءِ حق سے بحث ومناظرہ قبیح ہے، لیکن اگر حصولِ علم سے اس کا مقصد علماءِ سوء سے مناظرہ اور غلط نظریات کے حاملین سے مجادلہ اور مخاصمہ مقصود ہے اور اس کے ذریعہ ان کی اصلاح مطلوب ہے، تو وہ علم اس کی نجات وفلاح کا سبب بنے گا اور حدیث کے اندر مذکورہ وعید سے خارج قرار پائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اس شخص کو بھی دخولِ جہنم کی وعید سنائی ہے، جو اس غرض سے علم حاصل کرے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے، طلبہ کا جمِّ غفیر اس کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کرے گا، تمام حضرات اس کو اپنا مقتدیٰ اور راہ بر تسلیم کر کے تعظیم وتکریم کریں گے، اس کے پاس ہدایا وتحائف کے انبار لگ جائیں گے، عیش پرستی اور راحت رسانی کے تمام اسباب مہیا ہو جائیں گے، اس کی ہر نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے اور تمام دیرینہ تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے، لوگ اس کے آگے پیچھے چلتے پھرتے نظر آئیں گے، اسی طرح راستوں اور چوراہوں اور بازاروں میں جاہل اور بے وقوف لوگوں سے حجت وتکرار کروں گا، تو عوام میرے گرویدہ ہو جائیں گے، چناں چہ یہ تمام اغراض ومقاصد باطل اور فاسد کے زمرے میں آتے ہیں، اس لیے نبی کریم نے فرمایا کہ ایسا شخص بھی جہنم رسید ہوگا، لیکن واضح رہے کہ اگر کسی شخص کی نیت حصولِ علم کے وقت خالص للہ رہی ہو اور

دینی جذبہ کے تحت اس نے تحصیلِ علم کا راستہ اختیار کیا تھا لیکن بعد میں بتقاضا
ئے جبلّت اس کے اندر کچھ ریا کاری اور دنیوی جاہ وحشمت کی آمیزش ہوگئی تو
ایسا شخص اس وعید میں شامل نہیں اس کو معذور سمجھا جائے گا۔ بہرحال خلاصۂ
کلام یہ ہے کہ اگر علمِ دین دنیوی اغراض ومقاصد یا نفسانی خواہشات وعوامل
کے پیشِ نظر حاصل کیا جائے یا مقابلہ آرائی اور تعظیم وتکریم کی نیت سے ہو یا
لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا مطلوب ہو تو ایسے طالبِ علم کا انجام تباہ
کن اور ھلاکت خیز ثابت ہوسکتا ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک
سے سخت ترین وعید کا اعلان کیا گیا ہے۔

علمِ دین کو دنیا طلبی کا سبب بنانا اپنی ناقدری اور علم کی بے حرمتی ہے

﴿۲۴﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَوْ أَنَّ اَھْلَ الْعِلْمِ صَانُوْا العِلْمَ وَ وَضَعُوْا عِنْدَ أَھْلِہٖ لَسَادُوْا بِہٖ أَھْلَ زَمَانِھِمْ لٰکِنَّھُمْ بَذَلُوْا لِأَھْلِ الدُّنْیَا لِیَنَالُوْا بِہٖ مِنْ دُنْیَاھُمْ فَھَانُوْا عَلَیْھِمْ ،سَمِعْتُ نَبِیَّکُمْ ﷺ یَقُوْلُ:مَنْ جَعَلَ الْھُمُوْمَ ھَمًّا وَاحِدًا کَفَاہُ اللّٰہُ ھَمَّ دُنْیَاہُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِہٖ الْھُمُوْمُ أَحْوَالَ الدُّنْیَاْ لَمْ یُبَالِ اللّٰہُ فِیْ أَیِّ أَوْدِیَتِھَا ھَلَکَ. (رواہ ابن ماجۃ و رواہ البیھقی فی شعب الایمان،مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے
بیان فرمایا کہ اگر اہل علم، علم کی حفاظت کرتے اور جو شخص علم کے لائق اور اس

کا اہل ہوتا، اسی کو سکھاتے تو اس علم کی وجہ سے وہ اپنے زمانے کے لوگوں کی سیادت وقیادت کی باگ ڈور سنبھالے ہوتے، لیکن جب انھوں نے اہل دنیا پر اس لیے علم کو خرچ کیا، تاکہ وہ اس کے سبب ان کی دنیا (مال ودولت) سے کچھ حاصل کریں، تو اہل دنیا کی نظر میں ان کی کوئی قدر ومنزلت نہ رہی۔ میں نے تمھارے نبی ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو تمام ہموم وغموم کو ایک ہی آخرت کا فکر وغم بنالیا، تو اللہ تعالی اس کی دنیاوی ہموم وفکر کے لیے کافی ہوجاتا ہے اور جس شخص کو دنیاوی حالات کی فکریں پراگندہ کردیں، تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کے کس جنگل میں (یعنی دنیا کی کس پریشان حالی میں مبتلاء ہوکر) ہلاک ہوجائے۔ (ابن ماجہ، بیہقی: شعبِ ایمان میں، مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾ علم کی حفاظت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ علمِ دین کی عظمت ورفعت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا حامل یعنی عالم بھی باعظمت وباوقعت ہوتا، لیکن جب عالموں نے مال ودولت کی طمع اور جاہ ومنصب کی طلب میں ظالم لوگوں اور دنیاداروں کی صحبت اختیار کیں ان کی دنیاوی مجالس کے رکن بنے، تو انھوں نے نہ صرف علم دین کی توہین کا ارتکاب کیا، بل کہ اپنے کو ذلیل کردہ غلط طریقے اور بے راہ روی کے انداز میں پیش کیا اور علم کو نااہلوں کے پاس لے جاکر ضائع کیا۔ نااہلوں سے مراد وہ دنیادار اور جاہ ومنصب کے طلب گار ہیں، جو علم کو سیکھنے سکھانے کی نہ صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ اس کی سعی وکوشش کرتے ہیں، نیز وہ حضرات، جو علم پر عمل نہیں کرتے ہیں، وہ بھی

اس کے اندر داخل ہیں، جس کی وجہ سے قعرِ مزلت میں جا گرے اور بے قدری کا شکار ہوئے حالاں کہ اگر عالم لوگ اپنا مَطمحِ نظر صرف دین کی خدمت واشاعت کو قرار دے دیں اور کسی بھی دنیاوی غرض سے بالاتر ہوکر، محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے، اپنے علم کو لوگوں کی دینی ہدایت و بھلائی میں خرچ کریں، تو وہ پھر اپنے فضل وکمال اور اپنی بزرگی کے اعتبار سے اپنے زمانے والوں کے مقتدیٰ اور پیشوا بن جائیں اور لوگ اس کو اپنا سردار و قائد تسلیم کرلیں۔ واضح رہے کہ یہاں سردار بن جانے سے مراد: دنیاوی حکومت و سیادت کا حاصل ہوجانا نہیں ہے، کیوں کہ علماءِ دین کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ دنیاوی تختِ حکومت پر بیٹھیں اور سیاسی حکمرانی حاصل کریں ان کا تو اصل مقام ان کو دینی فضل وکمال اور بزرگی کا حاصل ہونا ہے اور جن کو یہ مقام حاصل ہوجاتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے ماسوا کو ان کے زیرِ قدم، ان کے زیرِ قلم اور ان کے عقل واحکام کا تابعدار بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "یَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوْاالْعِلْمَ دَرَجَاتٍ" ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے درجات کو بلند فرماتا ہے، جو ایمان لائے اور جن کو دین کا علم عطا کیا گیا۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کے سامنے نبی کریم ﷺ کا یہ قول مبارک پیش فرمایا: "مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِداً الخ" یعنی جو شخص اخروی کامیابی کو اپنا مقصد اصلی بنالیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ دنیاوی ھموم وغموم کو اور یہاں کی تمام فکروں سے اسے نجات دلا دیتے ہیں۔ تمام

مصائب ومشکلات حل کردیتے ہیں۔ ہر محاذ اور ہر موڑ پر اس کی یاوری کرتے ہیں، اس لیے لوگوں کو خاص طور پر طالبانِ علومِ نبوت کو چاہیے کہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ تمام تفکرات وتدبرات کو اخروی کامیابی وکامرانی پر مرکوز کردیں ۔"وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الهُمُومُ اَحْوَا لَ الدُّ نْيَا الخ" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیوی فکر میں مبتلا ہوکر پراگندہ حالی کا شکار ہو جائے اور اس کی حالت ایسی ابتر ہو جائے کہ ایک فکر سے خلاصی نہیں ملی کہ دوسری فکر نے اسے آ دھمکا اور اعمالِ آخرت سے بے بہرہ ہوکر، انھیں دنیاوی افکار وخیالات میں جکڑا رہا، تو ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم ﷺ فرمارہے ہیں کہ اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں، دنیا وعقبیٰ ہر جگہ وہ اللہ کی رحمتوں، عنایتوں اور نوازشوں سے محروم رہے گا۔ ہر محاذ پر اسے ناکامی ونامرادی کا منھ دیکھنا پڑے گا۔لھذا یہ حدیث ہر امتی کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

علماءِ دین کو اُمراء کے پاس آمدورفت سے گریز کرنا چاہیے

﴿۲۵﴾عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ : إِنّ أنَاسًامِنْ أُمَّتِىْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِىْ الدِّيْنِ وَ يَقْرَؤَنَ الْقُرَاٰنَ يَقُوْلُوْنَ نَاْتِى الْأُمَرَاءَ فَنُصِيْبَ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَ نَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا وَ لَاْ يَكُوْنُ ذٰلِکَ كَمَا لَاْ يُجتَنٰى مِنْ القَتَادِ إلّا الشَّوْکَ كَذٰلِکَ لَاْ يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ الصَّبَاْحِ كَأَنَّهُ يَعْنِى الْخَطَايَاْ .(رواه ابن ماجة،مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت سے کچھ حضرات دین میں سمجھ حاصل کریں گے اور قرآن کی تلاوت کریں گے اور یوں کہیں گے کہ ہم اُمراء کے یہاں جاتے ہیں، تاکہ ان کی دنیا سے کچھ حاصل کریں، لیکن ہم اپنے دین کو ان سے بچائے رکھیں گے، حالاں کہ ایسا نہ ہو سکے گا۔ (کہ اُمراء کی مصاحبت سے وہ دین کو محفوظ رکھ سکیں) جیسا کہ خاردار درخت سے سوائے کانٹے کے کوئی اور چیز حاصل نہیں ہوتی، اسی طرح امراء کے تقرّب اور مصاحبت سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوسکتی، سوائے ۔۔۔۔۔۔اور محمّد ابنِ صباح کہتے ہیں کہ ''اِلاّ'' کے بعد نبی کریم ﷺ ''خطایا'' مراد لے رہے تھے۔ (ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾ علم، اللہ کی طرف سے ایک اہم عطیہ اور قابلِ قدر تحفہ ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی بڑی عظمت و وقعت ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث کے مختلف مقامات سے اس کی وضاحت ملتی ہے۔ دوسری طرف دنیا، یہاں کی شان وشوکت جاہ وحشمت اللہ کی نظر میں حقیر و یسیر نا قابلِ اہمیت شی ہے۔ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کی قدر و قیمت اللہ کی نظر میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، اگر اللہ کی نظر میں اس کی اتنی بھی وقعت ہوتی، تو کفار وفجار یہاں بھوکوں مرا کرتے۔ معلوم ہوا کہ علم اور مال ودولت آپس میں متضاد ہیں، چناں چہ حدیث میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ علما کو اُمراء اور حکمرانوں سے کنارہ کش رہنا چاہیے، کیوں کہ ان سے یکسو و علاحدہ رہ

کرہی اپنے علم ووقار ،قدر ومنزلت اور مقام ومرتبہ نیز دین اورایمان کو وہ سلامت ومحفوظ رکھ سکیں گے اور اگر اُمراء کے محلّات کا چکر لگائیں گے ، حکمرانوں کے قصر ہائے سلطنت کا گشت کریں گے ،ایوان واقتدار میں حاضری کواپنا شیوہ بنائیں گےاوراس سےان کا مقصد کسی واقعی اورضروری حاجت کو پورا کرنا نہیں ،بل کہ اپنی دینی اہمیت وحیثیت کواظہار کرکے مال ودولت حاصل کرنا،مناصب وعہدے لینااوراعزازات وخطابات پانا ہوگا،تو یادرہے کہ اس سے ان کی پذیرائی اور مقام ومرتبہ گرچہ حکمرانوں کی نظر میں ہوجائے ،لیکن ان کا دینی مقام مجروح ومخدوش ہوکررہ جائے گا،عوام الناس کے قلوب سے ان کی قدر ومنزلت نکل جائے گی اور جب خالص دینی مزاج رکھنے والے باشعور حضرات ان سے دریافت کریں گے ،تم تو تفقہ فی الدین رکھنے والےاورقرآن کے عالم وقاری ہو،لہذاامراء کے درباراورحکمرانوں کےایوان کا چکر کیوں کاٹتے ہو؟ اس پر وہ لوگ نہایت ہی بیہودگی اورحواس باختگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم تو امراءاورحکمرانوں کے پاس اس وجہ سے آتے جاتے ہیں کہ اپنے دین وایمان کوسلامت اورمحفوظ رکھتے ہوئے ان کی دنیاداری اور مال ودولت سے کچھ فائدہ حاصل کرلیں اوران کی مصاحبت وہم نشینی کواپنے علم ودین پر بالکل اثر انداز نہیں ہونے دیں گے، جب کہ حقیقت میں ان کا اس طرح کہنا خام خیالی اور غلط زاویۂ فکر پرمحمول ایک فاسد تأویل ہوگی ،کیوں کہ حکمرانوں کی قربت اورنزدیکی سے وہ دینی نقصان کوکسی طرح بچانہیں پائیں گے۔ یہاں یہ بات بھی مدنظر رہے کے کسی

علمی مقصد یا دینی جذبہ کے ساتھ حکمراں اور اُمرا کے پاس جانا اور انھیں اسلامی اصول و تعلیم کی یاددھانی کرانا یا دینی روش اور انصاف پسندی سے آشنا کرانے کے لیے جانا قبیح نہیں ہے، بل کہ قابل مدح اور لائقِ صدرشک ہے۔

بہرحال علما کا اُمرا و حکمراں سے قربت و تعلق کا ردِّعمل یہ ہوگا کہ ایمان واسلام کی سلامتی اور صحیح افکار و نظریات پر قائم و دائم رہنا خطرے میں پڑ جائے گا، اسی واقعی حقیقت کا اظہار نبی کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا "لایـــکـــو ن" کہ دنیادار، ناخداترس، بے راہ رو اور غلط افکار و نظریات کے حامل امراء سے تقرب کے باوجود دین کا اپنی صحیح حالت میں باقی رہ جانا ہو نہیں سکتا، بل کہ ناممکن بات ہے۔ آپ ﷺ نے اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال دی ہے کہ جس طرح کانٹوں کے درخت سے کانٹے ہی ہاتھ آتے ہیں اسی طرح دنیادار غیر منصف حکمرانوں سے غلط کاری کے علاوہ اور کوئی درس و نصیحت حاصل نہیں ہوسکتی۔

"كَذَالِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قَوْلِهِمْ اِلَّا" کے اندر مستثنیٰ کا ذکر نہیں ہے، چناں چہ امام بخاریؒ و مسلمؒ کے استاذ محمّد ابن الصباح نے بیان فرمایا کہ مستثنیٰ سے نبی کریم ﷺ کی مراد "الخطایا" تھی یعنی امراء کے تقرب سے گنہگاری اور خطاکاری کے علاوہ اور کوئی چیز حاصل نہ ہوگی، مگر اس کو نبی کریم ﷺ نے ذکر نہیں فرمایا: جس کی وجہ یہ ہے کہ امراء کے تقرب کی شناعت و قباحت کا اظہار پرزور انداز میں مقصود تھا کہ اس کا خطرہ اور نقصان اتنا شدید ہے، جس کو زبان سے بیان نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ دنیوی واخروی ہر اعتبار سے یہ غیر مفید ہی

نہیں، بل کہ مضرت رساں بھی ہے۔ دنیا میں تو عوام کے دل میں اس عالم وقاری کی قدر و قیمت نہیں ہو گی اور آخرت میں اسے زبردست خسران وندامت اور عذاب وسزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

لہٰذا اہلِ علم کو دنیاوی اغراض ومقاصد کی نیت سے امراء اور حکمرانوں کی مصاحبت اور ہم نشینی سے اجتناب کلی کرنا چاہیے، تاکہ دینی اور دنیوی وقار محفوظ رہ سکے۔

علم کی آفت اور اضاعت کا بیان

﴿۲۶﴾ عَنِ الاَعْمَشِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آفَةُ الْعِلْمِ اَلنِّسْيَانُ وَاِضَاعَتُهُ اَنْ تُحَدِّثَ بِهٖ غَيْرَ اَهْلِهٖ. (رَوَاهُ الدَّارْمِیُّ مُرْسَلًا، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت اعمش (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم کی آفت نسیان ہے؛ یعنی بھول جانا اور علم کا ضائع کرنا یہ ہے کہ اس کو نا اہل کے سامنے بیان کیا جائے۔ (اس روایت کو دارمی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے، مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾ علم حاصل ہونے سے پہلے تحصیل علم کی راہ میں تو بہت سی آفتیں اور رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، جو کتنی ہی پریشانیوں اور مصائب سے دوچار کرتی ہیں۔ "لِکُلِّ شَیْءٍ آفَةٌ وَ لِلْعِلْمِ آفَاتٌ" (ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے اور علم کی آفتیں بہت ہیں) لیکن حصولِ علم کے بعد جو سب سے بڑی آفت پیش آتی ہے وہ علم کو بھول جانا ہے، گرچہ علم پر عمل نہ کرنا

بھی علم کی آفت ہے؛ تاہم عمل کا فقدان علم کوفراموش کرنے ہی کے سبب سے ہوتا ہے، اگرعلم قلب کے اندر پیوست ہوجا تا ہے،تو اس کی اثر آفرینی سے عمل کا جذبہ وداعیہ خود بخود پروان چڑھتا رھتا ہے۔ بہر حال علم کو بھول جانا ایک بہت بڑی آفت ہے اور نا قابلِ تلافی نقصان ہے دراصل آپ ﷺ کے فرمان کا منشا اہل علم کومتنبہ کرنا ہے کہ ان چیزوں سے اجتناب کیا جائے ، جونسیان کے اسباب میں سے ہے اوران اسباب سے بچنے کی پوری سعی وکوشش کی جائے مثلاً نسیان کے اسباب میں سےعلم سےغفلت و بےتوجہی یادداشت سے بےفکری، مطالعہ ومذاکرہ کا نہ کرنا،لیکن ان اسباب میں سب سے اہم سبب معاصیات کا ارتکاب کرنا ہے، کیوں کہ علم ایک روشنی ہے، جوقلب کی زینت بنتی ہے اور معاصیات وفحاشی کے سبب دل کے اندر ظلمت و تاریکی گھر کرلیتی ہے اسی طرح عیش کوشی ،خواہش پرستی دنیا کی لذتوں اورآسائشوں کے اندرحد سے زیادہ انہماک بھی نسیان کے برے مرض میں مبتلا کردیتا ہے۔امام شافعی نے اپنے استاذ حضرت وکیعؒ سے نسیان علم کی شکایت کی تو انھوں نے اس پر مدلل روشنی ڈالتے ہوئے معاصیت کے ارتکاب کوسب سے بڑی وجہ قراردی۔

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ　　فَاَوْصَانِيْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِي

﴿ترجمہ﴾ میں نے اپنے استاذ حضرت وکیعؒ سے عدمِ یادداشت کی شکایت کی،توانھوں نے مجھے ترکِ معاصی کی نصیحت فرمائی۔

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ اِلٰہٍ وَنُوْرُاللّٰہِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

کیوں کہ علم اللہ کا نور ہے اور نور خداوندی کسی گنہگار کو عطا نہیں کیا جاتا،اس شعر سے معلوم ہوا کہ علم کا قیمتی ذخیرہ آدمی اپنے اندر اسی وقت محفوظ کرسکتا ہے ،جب کہ وہ معاصیات ومنکرات سے پرہیز کرے اس لیے طالبانِ علوم نبوت کو معاصیات سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔اس حدیث میں آپ ﷺ علم کی اضاعت اور بربادی کے متعلق فرمایا کہ اس کو نااہل کے سامنے بیان کیا جائے اور نااہل سے مراد: ایسے لوگ ہیں،جو علم حاصل کرنے اور علمی باتیں سمجھنے کی لیاقت وقابلیت نہ رکھتے ہوں ،اسی طرح علم پر عمل نہ کرنے والے لوگ بھی نااہلوں کے زمرہ میں داخل ہیں۔لہٰذا اہل علم کو اپنا علمی سرمایہ ایسے نااہلوں کے سامنے بیان کرکے برباد وہلاک کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

علما کے عوامی تعلق کی نوعیت

﴿۲۷﴾عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِیْہُ فِی الدِّیْنِ اِنِ احْتِیْجَ اِلَیْہِ نَفَعَ وَاِنِ اسْتُغْنِیَ عَنْہُ اَغْنٰی نفسہ.(رواہ رزین ،مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا ہی بہتر ہے وہ شخص ،جو دین میں سمجھ وتفقہ رکھتا ہے، اگر اس کے سامنے کوئی حاجت پیش کی گئی ،تو اس نے (حاجت مندوں کو) نفع پہنچایا اور اگر اس سے بے نیازی اختیار کی گئی،تو اس نے بھی خود کو مستغنی اور بے نیاز کر لیا۔(اس کو رزین نے روایت کیا ہے،مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عالمِ دین کو شرعی احکام ومسائل اور دینی اصول وقواعد سے لوگوں کو روشناس کراتے رہنا چاہیے، اگر اس کے سامنے دینی تقاضوں اور شرعی ضرورتوں کو پیش کیا جائے، تو اس کی تکمیل کے لیے پوری دلچسپی اور اخلاص کے ساتھ سعی وکوشش کرے اگر دینی فوائد کے پیش نظر محافل ومجالس اور راحت کدوں تک جانے کی نوبت آجائے، تو بھی دریغ نہ کرے، بل کہ اسلام کی بےلوث خدمت کا تقاضا یہی ہے کہ بازاروں، محفلوں، مجلسوں، آرام گاہوں اور ہر جگہ جا کر ایمانی تقاضوں کو بیان کرے اور دینی علوم واحکام سے لوگوں کو آشنا کرائے، یہی ہر عالمِ دین کا فرضِ منصبی بھی ہے۔ لہٰذا جہاں تک اس کی رسائی اور دسترس ہوسکے اپنے علمی کردار کا مظاہرہ کرے، کیوں کہ اگر اہلِ علم عوام الناس سے بالکلیہ کنارہ کش ہوکر، یا ان کی دینی ضروریات سے بے بہرہ ہوکر، گوشہ نشیں اختیار کرلیں گے، تو ان کو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش قرار نہیں دیا جاسکتا، بل کہ عوام سے ان کا دینی ربط اس درجہ مضبوط اور مستحکم ہونا چاہیے کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ میں وہ ان کی مدد کے فرائض کو انجام دے سکیں ایسے ہی فقیہ کے بارے میں زبان نبوی سے یہ الفاظ معرض وجود میں آئے ”نعم الرجل الفقیہ“ کتنا اچھا اور بہتر ہے وہ جو حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتا ہو اور عوام کے دینی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ لہٰذا علماءِ دین کو یہ زیبا نہیں دیتا کہ وہ عوام سے بالکل کنارہ کش ہوکر رہ جائیں اور ان سے کچھ واسطہ ہی نہ رکھیں، لیکن اگر لوگ ان سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوں اپنی دینی ضرورتوں کو پیش کرنے

سے گریز کرتے ہوں، تو علماءِ دین کو بھی ان سے مستغنی اور بے نیازی کا اظہار کرنا چاہیے، کیوں کہ علمی وقار اور عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ علما اپنے مقام ومرتبہ کو محفوظ رکھیں۔ اپنی ضرورتوں کو نااہل عوام پر بالکل پیش نہ کریں خود کو ان کا محتاج ظاہر نہ کریں دنیوی حرص وہوس اور حصولِ عز وجاہ کی طمع ولالچ میں دنیا دار عوام کی مصاحبت وہم نشینی سے اجتناب کریں، کیوں کہ یہ تمام چیزیں علماءِ دین کے لیے سمِ قاتل اور ان کے منصبِ جلیل کو مجروح کرنے میں سببِ عظیم ثابت ہوسکتی ہیں، اسی کو نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ”ان استغنٰی عنه، اغنی عنه“ اگر عوام عالمِ دین کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں، تو اس کے مقام ومرتبہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھی اپنے عمل وکردار سے بے نیازی کا پورا پورا اظہار کردے اس سے اس کی عزت افزائی ہوگی اور علم دین جو اہم وصف ہے اس کی قدر دانی اور اہمیت بھی آشکارا ہوجائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ عالم دین کو عوامی معاشرہ میں اس انداز سے زندگی بسر کرنی چاہیے کہ لوگ اس کی ضرورت واحتیاج کو محسوس کریں اور وہ اپنی ضرورت کے لیے لوگوں کے سامنے اپنی عاجزی اور محتاجگی کا قطعاً اظہار نہ ہونے دیں یہی اس کی امتیازی شان ہے۔

کتمانِ علم پر وعیدِ شدید

﴿۲۸﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهٗ ثُمَّ کَتَمَهٗ اُلْجِمَ یَوْمَ

الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ. (رواه أحمد ،وابوداؤد، والترمذی ،ورواه ابن ماجه عن انس،مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے کوئی ایسی علمی بات معلوم کی گئی، جس کو وہ جانتا ہے پھر بھی اسے مخفی وپوشیدہ رکھا،تو قیامت کے دن اس کوآگ کی لگام پہنائی جائے گی۔(احمد، ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ نے اس حدیث کوحضرت انس سے روایت کیا ہے)

﴿تشریح﴾ کتمانِ علم ایک جرمِ عظیم ہے مذکورہ حدیث شریف میں اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ایک شخص جس کو اللہ نے علم کی عظیم دولت سے سرفراز فرمایا ہے،اس کو چاہیے کہ اس کی نشرواشاعت میں ہمہ تن مصروف رہے اور تشنگانِ علوم نبوت کی تشنگی کو بجھاتا رہے۔اشاعت کی اس چیز کو اپنے ہی تک محدود نہ رکھے،بل کہ یہ تو اللہ کا وہ عطیہ ہے،جس کی ترویج وتبلیغ اور اشاعت وتشہیر سے اضافہ ہوتا رہتا ہے، جتنا بھی اسے خرچ کیا جائے گا،اتنا ہی کثرت کا باعث ہوگا۔

علم وہ دولت ہے، جو کبھی لٹتی نہیں
خرچ کرنے سے کبھی گھٹتی نہیں

علم کی نشرواشاعت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے، مدینہ طیبہ تشریف لائے،تو سب سے پہلا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی علم کی نشرواشاعت کا تھا،جس کے لیے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سامنے ''صفّہ'' کے نام سے ایک تعلیم گاہ قیامِ عمل میں آئی اور اس کے اندر

تشنگانِ علوم نبوت کی سیرابی کا سامان مہیا کیا گیا۔ اصحابِ رسول ﷺ پروانہ وار آکر معلمِ انسانیت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے تھے۔ اس سے علم کی نشر واشاعت اور تبلیغ وترویج کا سنتِ رسول ﷺ ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کتمانِ علم پر شدید ترین وعید سنائی کہ جو علم دین کو جانتے ہوئے کسی طالب علم کے استفسار ودرخواست پر پوشیدہ رکھے گا، تو قیامت کے دین اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈال دی جائے گی۔ اتنی سخت وعید کی وجہ یہ ہے کہ دراصل عمل کا تعلق علم ہی سے ہے، کیوں کہ آدمی کسی بھی چیز کا پہلے علم حاصل کرتا ہے، پھر پر اس پر عمل کرتا ہے، مثلاً نماز کا علم ایک شخص کو نہیں ہے، تو وہ کس طرح اس پر عمل پیرا ہوسکتا ہے، اسی پر دیگر اعمال کو قیاس کرلیا جائے۔

یہاں یہ مسئلہ ذہن نشین رہے کہ نبی کریم ﷺ کی وعید کا تعلق اِنہیں دینی امور سے ہے، جن کا تعلیم و تعلّم ضروری ہے ،مثلاً اسلام کے بنیادی اور ضروری عقائد اسی طرح جملہ فرائض و واجبات سے تعلق رکھنے والے کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی سوال کرتا ہے، تو معلوم ہونے کی صورت میں ان کا بتلانا ضروری ہے۔ رہے نوافل یا دیگر امورِ مستحبات تو ان کا چھپانے والا اس وعید کے اندر داخل نہیں ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتمانِ علم کی وجہ سے سزا کے لیے عضوِ مخصوص ''مُنہ'' کو کیوں خاص کیا گیا، تو جواب یہ ہے کہ اس نے سائل کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنے مُنہ پر سکوت کی لگام لگا رکھی تھی اور

چوں کہ مُنہ ہی عام طور پر تعلیم کا سبب اور وسیلہ ہوتا ہے، اس معنی کر کتمانِ علم کی سزا کو منہ کے ساتھ خاص کیا گیا۔

بغیر علم کے فتوی دینا گناہِ عظیم!

﴿۲۹﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعالیٰ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُهُ عَلیٰ مَنْ اَفْتَاهُ وَمَنْ اَشَارَ عَلیٰ اَخِیْهِ بِاَمْرٍ یَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَیْرِهٖ فَقَدْ خَانَهُ. (رَوَاهُ ابو داؤد، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو لاعلمی کی وجہ سے غلط فتوی دیا گیا (اور اس نے اس پر عمل کیا)، تو اس کا گناہ اسی شخص پر ہوگا، جس نے اس کو فتوی دیا ہوگا اور جس شخص نے اپنے بھائی کو کسی کام کا مشورہ دیا، جب کہ وہ جانتا ہے کہ بھلائی اس کے علاوہ دوسرے کام میں ہے، تو اس نے خیانت کی۔ (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کارخانۂ عالم کا نظام اس قدر منظّم و مستحکم بنایا ہے کہ جس سے بجا طور پر عالم کا بقاء و تحفظ قائم رہ سکے، اسی لیے دنیا میں تقسیمِ کار کا ایک اصول بنا کر ہر ایک کو اپنے کار پر صحیح اور عمدہ طریقہ پر کاربند رہنے کا فرمان جاری فرما دیا، کارہائے مختلف اور متعدد اقسام کے امور میں سے ایک اہم اور قابلِ ذکر امر تفقہ فی الدین بھی ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم گویا ہے "وَلْتَکُنْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ" یعنی

لوگوں میں سے ایک ایسی جماعت بھی ہونی چاہیے، جو دین کے اندر فقہی بصیرت رکھتی ہو، لیکن اس جماعت کی صرف اتنی ذمہ داری نہیں کہ تفقہ فی الدین حاصل کر کے کنارہ کشی اختیار کر لے اور لوگوں سے یکسو ہو کر، گوشہ نشینی کو اپنا شعار بنا لے، بل کہ قرآن و حدیث نے ایسے لوگوں پر شرعی احکام دوسروں تک پہنچانے اور دینی امور سے تعلق رکھنے والے سوالات کے صحیح جوابات دینے کی ذمہ داریاں بھی عائد کیں ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے "فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" کہ اے لوگو دینی امور سے متعلق پیش آنے والے سوالات و شبہات فقہی بصیرت و مہارت رکھنے والے اہلِ علم کے پاس جا کر حل کر لیا کرو اسی طرح بنی کریم ﷺ کا فرمان "أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّا هِدُ الْغَائِبَ" کہ کان کھول کر سن لو جو لوگ آج میرے ساتھ حاضر ہیں، میری شریعت کو دوسروں؛ یعنی غائبین تک پہونچائیں۔ لہٰذا امت کے علما کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی علوم و احکام میں مجتہدانہ بصیرت اور درک پیدا کریں، دین کی نشر و اشاعت اپنا فرضِ منصبی سمجھیں۔ ہر سائل کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی منشا کے مطابق صحیح اور تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں اور کبھی بھی دنیاوی مفاد اور عوامی شہرت و ناموری کی وجہ سے خواہشاتِ نفس کا شکار ہو کر لاعلمی کی بنیاد پر غلط مسئلہ نہ بتائیں، کیوں کہ اس حدیث کی روشنی میں لاعلمی کی وجہ سے فتویٰ دینا یا مسئلہ بتانا زبردست ہلاکت خیزی کا باعث قرار دیا گیا ہے اور صاف طریقے سے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ لاعلمی کی صورت میں دیئے گئے غلط فتوے کا سارا وبال فتوی دینے والے پر

آئے گا۔آج کے اس پرفتن اور ماڈرن دور میں آئے دن نئے نئے مسائل رونما ہوتے رہتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کتنے ہی نام نہاد علما عقلیت اور مادیت سے مغلوب ہوکر دنیاوی اور سیاسی شہرت چمکانے کے لیے غلط مسائل بیان کر دیتے ہیں، جس سے امت کے اندر اختلاف وانتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، چناں چہ ایسے مفاد پرست علما کے لیے یہ حدیث عبرت کا سامان فراہم کررہی ہے۔

حدیث کے اندر دوسری چیز مشورہ سے متعلق بیان کی گئی ہے، ''مشورہ'' ایک امانت ہے اور مشیر'' امین'' ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''المستشار امین'' کہ جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ امین ہے۔لہٰذا مشورہ دینے میں آدمی کو اپنی امانت داری کا خیال کرنا چاہیے اور جان بوجھ کر بالقصد طالب مشورہ کو نقصان دہ اور ہلاکت میں ڈالنے والے مشورے نہیں دینا چاہیے، بل کہ خیر خواہانہ جذبہ کے ساتھ خلوص وللّٰہیت پر مبنی اپنے مسلمان بھائی کو مفید اور کارآمد مشورہ سے نوازنا چاہیے ورنہ ایسا شخص فرمان نبوی ﷺ کے مطابق خائن کے زمرہ میں شمار ہوگا اور محبت الٰہی سے محروم کردیا جائے گا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَائِنِیْنَ'' کہ یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا ہے۔

اصل دین پیش کرنے والے ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہیں گے

﴿۳۰﴾عَنْ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَذْرِیّ رضی اللہ عنہ قَالَ

:قَـالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَـحْـمِـلُ هٰـذَا الْعِلْمَ مِنْ کُلِّ خَلَفٍ عُدُوْ لَهٗ یَنْفَوْنَ عَنْهُ تَحْرِیْفَ الْغَالِیْنَ وَاِنْتِحَالَ الْمُبْطِلِیْنَ وَتَاوِیْلَ الْجَاهِلِیْنَ (رواه البیهقی فی کتاب المدخل مرسلًا،مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾حضرت ابراہیم بن عبد الرحمٰن العذری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بعد میں آنے والے افراد میں سے ثقہ اور معتمد حضرات اس (کتاب وسنت کے) علم کو حاصل کریں گے، پھر وہ اس علم کے ذریعہ غلو کرنے والوں کی تحریف کو محو کریں گے، غلط کاروں کی غلطیوں کو رفع کریں گے اور جاہلوں کی (قرآن وحدیث میں کی گئی) تاویلات کو مردود قرار دیں گے۔(اس روایت کو بیہقی نے اپنی کتاب ''مدخل'' میں مرسلاً نقل کیا ہے)

﴿تشریح﴾اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایسے نیک اور عالم باعمل لوگوں کو پیدا فرمائیں گے، جو دین میں غلو پسند، مبتدعین اور جدت پسند حضرات کے باطل نظریات وخیالات اور ان کی گمراکن بدعات وخرافات کا کتاب وسنت کی روشنی میں ابطال کریں گے اور افراط وتفریط سے گریز کرتے ہوئے، قابل اعتماد اور معتبر ومستند احکام سے انسانیت کو آگاہی کا دینی فریضہ انجام دیں گے، حق اور سچی بات کو واضح کرتے ہوئے، دینِ حنیف کو اصل معتدل صورت میں پیش کریں گے۔اس سے یہ سمجھنا قطعًا غلط ہوگا کہ (نعوذ باللہ) دینِ اسلام کوئی فرسودہ مذہب اور تغیر پذیر شریعت ہے، جس کی وجہ سے مرورِ ایام کے ساتھ اس کے اندر بوسیدگی اور فرسودگی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، جو اس بات کا متقاضی ہے کہ پھر سے

اس کے اندر تازگی اور نئی روح پیدا کی جائے، ایسا ہرگز نہیں ہے، بل کہ اسلام زندہ وتابندہ زندگی بخش دین ہے، جو ہر زمانہ میں اپنے قیمتی جوہر کو صفحۂ ہستی پر دکھاتا رہا ہے اوران شاءاللہ رہتی دنیا تک پورے آب وتاب کے ساتھ موجود رہے گا۔

البتہ اتنا تو ضرور ہے کہ کچھ خارجی آمیزش کے باعث اسلام کی شبیہ دھندلی ہوجائے گی اور اس کے دائرۂ حدود میں بدعا وخرافات اور باطل رسومات سرایت کر جائے گی، جن کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اور اسلام کی صحیح منظر کشی کے لیے صاحبِ علم وفن قرآن وحدیث سے لیس ہوکر میدان میں رونما ہوں گےاور ہر طرح کے باطل پرستوں کی سازشوں کو ناکام بنا دیں گے اورانھیں کیفرِ کردار تک بھی پہونچا دیں گے۔ ان کی غلو پسندی خباثت آمیز تحریف وتاویل خودغرضی پر مبنی کذب بیانی اور دروغ گوئی کا تحقیقی جائزہ لے کر ،بھرپور تردید کریں گے، جس سے ان کی شیطانی ذہانت وخباثت کے تمام پردے ایک ایک کر کے چاک ہوتے چلے جائیں گےاور صحیح اسلامی صورت حال سے انسانیت آشنا ہوتی چلی جائے گی۔

اسی مفہوم کو مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ادا کیا گیا ہے۔ عہد نبوی سے لے کر اب تک کے حالات پر جب نظر ڈالی جاتی ہے،تو ہر دور میں ایسی مثالیں مل جاتی ہیں، جب غلو پسند کے غلو مبتدعین کی بدعات وخرافات اور باطل پرستوں کے باطل افکار ونظریات کا قلع قمع کرنے کے لیے امت کے جیالے، دینِ اسلام کے متوالے میدان میں کود پڑے اور شریعت حقہ کے خلاف ہر طرح کی سازشوں کو زمین دوز کردیا۔ نبی کریم

ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ کتاب وسنت کا یہ علم کسی زمانے تک محدود نہیں رہے گا، بل کہ ہر بعد میں آنیوالے اپنے اسلاف واکابر سے علمِ دین کو حاصل کریں گے اور پھر دینِ اسلام کی صحیح نشر واشاعت کا سبب بنیں گے اور ہر طرح کی ریشہ دوانیوں اور شیطانی سازشوں سے پاک صاف کر کے، لوگوں کے سامنے مذہبِ اسلام کو پیش کریں گے۔

اسی کے ساتھ حدیث شریف سے یہ بھی ارشاد مل رہا ہے کہ ہر دور میں دین اسلام کے خلاف لوگ میدان میں آئیں گے اور اسلام کے نورانی چہرہ کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے غلط تصویر پیش کریں گے، چناں چہ تاریخ شاہد ہے کہ حق وباطل کا معرکہ شروع ہی سے معرض وجود میں آتا رہا اور ان کی باہمی کشمکش سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا، حتی کہ آج بھی مغربی قوتیں اور اسلام دشمن عناصر اسلام کو داغدار کرنے کے درپے ہیں اور روزانہ ملکی اور بین الاقوامی پیمانہ پر اسلامی تشخص کو ختم کرنے کے لیے سازشوں کا جال بُنا جاتا ہے اور اسلامی علوم وافکار پر ناپاک حملوں کے لیے نئی نئی تحریکیں اور انتہا پسند جماعتوں کو تشکیل دینے کا عمل سرعت کے ساتھ پوری دنیا میں جاری ہے اور مغربی طاقتوں کی شہ پر اسلامی نظریات واحکام پر اعتراضات کے ساتھ بھونڈا انداق بھی اڑایا جاتا ہے۔ لہذا طالبانِ علوم نبوت اور علماءِ دین کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس حدیث کا مصداق بننے کے لیے ایسے باطل پرست عناصر اور اسلام کی شبیہ مسخ کرنیوالوں کا دندانِ شکن جواب دینے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں اور اسلام کی حفاظت کے لیے کوہ گراں بن

جائیں، کیوں کہ اشاعتِ دین اور حفاظتِ دین دونوں ضروری ہے اور اس کے لیے طالبانِ علوم نبوت کو علمی اور عملی دونوں طرح کی جد و جہد کو بروئے کار لانا پڑیگا۔ تبھی جا کر باطل طاقتوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت و ہمت پیدا ہو گی اور اس کے حصول کے لیے کتب بینی اور مطالعہ کا ذوق و شوق پیدا کریں، تا کہ زیادہ سے زیادہ دینی معلومات کا خزانہ ہمارے دل و دماغ میں جمع ہو سکے، کیوں کہ باطل پرستوں کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے یہی مؤثر ہتھیار ہے۔

عوام میں وہی علمی باتیں بیان کی جائیں جو مفید ہوں

﴿۳۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَة رضی اللہ عنہ قَالَ :حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وِعَائَیْنِ فَأَمَّا اَحَدُ هُمَا فَبَثَثْتُهٗ فِیْکُمْ وَاَمَّاالآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هَذَا الْبَلْعُوْمَ یَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامَ. (رواه البخاری، مشکوۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو برتن؛ یعنی دو طرح کے علوم محفوظ کیے ہیں ایک برتن (ایک طرح کا علم)، تو میں نے تمھارے درمیان پھیلا دیا اور دوسرے علوم کو اگر میں پھیلاؤں گا، تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے گا؛ یعنی وہ جگہ جس کے ذریعہ کھانا معدہ میں پہونچتا ہے (اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے)

﴿تشریح﴾ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ درس گاہِ نبوّت کے نہایت ہی اہم اور لائق و فائق طالب علم تھے، جنھوں نے حصول علم کے لیے بارگاہِ رسالت میں خود کو وقف کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ احادیثِ نبوی کی ایک کثیر تعداد ان

سے مروی ہے، چناں چہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو برتن محفوظ کئے ہیں۔ یہاں علم کی دونوں قسموں کو دو برتنوں سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ جس طرح کوئی چیز برتن میں مکمل طور پر محفوظ ہو جاتی ہے، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی دونوں علوم کو مکمل طریقہ پر اپنے سینۂ مبارک میں محفوظ کر لیا تھا۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں علوم بہت ہی اہم اور وقیع تھے، دیگر علوم ان کے مساوی نہیں ہو سکتے اس لیے علم کی ان دونوں قسموں کو وعائین یعنی برتن سے تعبیر کیا گیا۔

علم کی ان دونوں قسموں میں سے ایک تو علم ظاہر ہے، جس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ علم تمھارے درمیان پھیلا دیا۔ علم ظاہر سے مراد وہ علوم ہیں، جن کا تعلق دین وشریعت کے ان احکام و مسائل اور اسلامی اخلاق و عادات سے ہے، جو عملی زندگی کے لیے ہر انسان کو درکار ہیں اور دوسری قسم کا تعلق علمِ باطن سے ہے۔

اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مخفی رکھا، کیوں کہ اس علم کا تعلق عوام سے نہیں ہے، بل کہ علما و عارفین میں سے خواص کے ساتھ مختص ہے اور اس علم کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی خصوصی صحبت وخدمت سے حاصل کیا تھا اور جس کا نورِ نگاہِ نبوّت کے خصوصی فیضان سے آپ کے دل میں پیدا ہوا تھا اور یہ علم ایسے اسرار و رموز پر مشتمل تھا کہ عوام اس کے فہم وادراک سے قاصر تھے۔ اس علم کی حقیقت تک لوگوں کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی، جس کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان باطنی علوم کو لوگوں کے

سامنے بیان کرنے سے گریز کیا اوران کے اس طرزِ عمل کو کتمانِ علم سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، بل کہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس مخفی رکھنے کو وسعتِ نظری، دور بینی ، ذہن رسائی، اور مصلحت آمیزی پر محمول کیا جائے گا، کیوں کہ اگر ہر طرح کا علم لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے گا، تو اس میں زبردست فتنہ وفساد کا خطرہ ہی نہیں، بل کہ یقین ہے، کیوں کہ عوام بواطن کے اسرار ونکات سے بالکلیہ بے بہرہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے اندر ایسی قوت وصلاحیت ہوتی ہے، جس کے ذریعے ان کا فہم وادراک کر سکیں، نیز عوام کو ایسے علوم کی احتیاج وضرورت بھی نہیں ہے، کیوں کہ وہ ایسے علم سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے علم باطن کو بیان نہ کرنا ہی عوام کے حق میں مفید سمجھا ، چناں چہ اہل علم کو چاہیے کہ عوم کے اذہان کو پیش نظر رکھ کر دینی علوم کو بیان کریں ۔غیر ضروری مسائل اور نکات پر مبنی احکام کو بیان کرنے سے اجتناب کریں ،تا کہ سادہ لوح کمزور ذہن رکھنے والے افراد کسی طرح کے خلجان میں مبتلا ہو کر فتنہ والحاد کی راہ پر نہ جا پڑیں۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ دوسرے علم سے مراد یہ ہے کہ امت میں فساد کاری اور فتنہ پردازی کی تخم ریزی کن لوگوں کے ذریعہ عمل میں آئے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزادانہ طور پر اس کی مکمل تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا۔ ان حضرات کے نام اور قبائل کی نشاندہی کرنے کے ساتھ زمانہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے ان چیزوں کے اظہار میں جوامِر مانع تھا، اس کا بیان خود انھوں نے

اپنے ان الفاظ میں کیا ہے ”قطع ھذا البلعوم“ کہ یہ حلقوم کاٹ دیا جائے گا، گویا انھیں جان کا خوف تھا، اس لیے صراحۃً تو نہیں، البتہ اشارۃً وکنایۃً وہ اس کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ یہاں ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی علمی بات کے اظہار میں جان کا خطرہ ہو، تو اسے ظاہر نہ کیا جائے، کیوں کہ دین وشریعت نے انسانی جان کا بہت خیال رکھا ہے، حتیٰ کہ بہت سے مواقع پر تحفظِ جان کے لیے حرام کے ارتکاب کی بھی شریعت میں اجازت دی گئی ہے۔ الغرض اگر کسی علمی بات کے صراحۃً اظہار میں ہلاکت کا اندیشہ ہو، تو اشارہ وکنایہ کے پیرایہ میں اس کو بیان کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔

بُروں میں سب سے بدترین بدکردار علما ہیں

﴿۳۲﴾ عَنِ الْاَحْوَصِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ : سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنِ الشَّرِّ وَسَلُوْنِیْ عَنِ الْخَيْرِ يَقُوْلُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ. (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت احوص بن حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شر کے بارے میں سوال کیا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے شر کے متعلق سوال نہ کرو، بل کہ مجھ سے خیر کے بارے میں دریافت کرو! یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمائی، پھر ارشاد فرمایا: جان لو! بروں میں سب سے بدتر برے علما ہیں اور بھلوں میں سب سے اچھے، بھلے علما ہیں۔ (اس کو دارمی نے روایت کیا ہے)

﴿تشریح﴾ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ سے شر کے بارے میں سوال کرنے والے کا منشا یا تو حقیقۃً شر کو سمجھنا تھا، یا اہل شر سے واقفیت و جان کاری مطلوب تھی۔ آپ ﷺ کے جواب سے زیادہ قرینِ قیاس یہی معلوم ہو رہا ہے کہ درحقیقت وہ شخص اشرار و بدکار اشخاص کے بارے میں ہی جاننا چاہتا تھا، چناں چہ نبی کریم ﷺ نے پہلے تو فرمایا کہ مجھ سے شر کے بارے میں سوال نہ کیا کرو، کیوں کہ میں تو نبیِ رحمت ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْن"۔

ہم نے آپ ﷺ کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا: نیکی اور بھلائی پھیلانا اور لوگوں کو اچھے راستہ پر لگانا ہی میری بعثت کا مقصد اصلی ہے۔ لہٰذا مجھ سے محض برائی اور بروں کے بارے میں دریافت کرنا اور بھلائی اور بھلوں کے جاننے میں کوئی رغبت نہ دکھانا، کوئی موزوں اور مناسب سوال نہیں اور پھر یہاں پر یہ حقیقت بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ جب خیر کا مکمل نقشہ پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آ جائے گا، تو شر خود بخود واضح اور عیاں ہو جائے گا، کیوں کہ "تعرف الاشیاء باضداد ھا" کہ اشیا اپنی اضداد کے ذریعے جانی پہچانی جاتی ہیں، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اہل شر اور اہل خیر کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کی بُروں میں سب سے بدترین بُرے علما ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ علماءِ دین کی ذات چوں کہ عوام میں نمونہ اور معیار ہوتی ہے، لوگ اپنی زندگی کے تمام شعبہ جات میں انہی کی اتباع اور پیروی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی طرف سے صادر ہونے والی نیکیاں اور برائیاں صرف ان کی ذات تک محدود نہیں رہتی ہیں۔ بل کہ ان کا اثر لوگوں کے اخلاق

وکرداراوراعمال وعادات میں سرایت کرجاتا ہے، چناں چہ عالم اگر نیک اور باعمل ہے،تواس کے ماننے والے بھی اسی کی طرح نیک اور بھلے بن جاتے ہیں اوران کے حسنِ عمل کی برکت پورے انسانی ماحول پر اثر انداز ہوجاتی ہے، جس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ صحیح کردار، عمدہ معیار، بلند عادات واطوار اور پاک نیتی کا مظاہرہ پیش کرتا ہےاورصالح اعمال کی تشکیل وتعمیر، پاکیزہ افکار کی مستحکم ومنظّم اساس وبنیاد کا اسلامی نقشہ وجود میں آتا ہے۔

اسی وجہ سے بھلوں میں سب سے بھلے علما حضرات کوقرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے برعکس اگر علماءِ دین سے خلافِ شرع امورسرزد ہوں گےاور بدکرداری سے ان کے دامن داغدار ہو جائیں گےاور برے اعمال کا صدوران کی زندگی کا شیوہ بن جائے گا،تو ان کی نحوست عوام الناس میں پھیل جائے گی، جس کے نتیجہ میں پورا انسانی معاشرہ بدطینتی اور بے حیائی وفحاشی کا مظاہر پیش کرے گا، کیوں کہ عالم دین کی دیکھی دیکھا ہرایک برائیوں میں ملوث ہو جائے گا،اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عالِم کی لغزش عالَم کی لغزش کے مترادف ہے۔

لہذا اس حدیث کے پس منظر میں اہلِ علم کواپنی زندگی کے لمحات کو پوری دیانت داری کے ساتھ علم کے مطابق گزارنا چاہیےاورلوگوں کے درمیان اچھے کردار وعمل کا حامل بنا کر پیش کرنا چاہیے،تاکہ عوام میں ان کے تئیں اچھا پیغام جائے اور ہرایسی جگہوں اورمحفلوں میں حاضری سے گریز کرنا چاہیے، جہاں پر جانے سے عالمانہ مقام ومرتبہ مخدوش ہوتے ہوں اوران کی حیثیتِ عرفی پر بدنما داغ آنے کا اندیشہ ہو، کیوں کہ بعض دفعہ بعض عالم خواہشاتِ نفس سے مغلوب

ہوکر، اگر کسی غلط جگہ پر جا کر خلافِ شرع عمل کر بیٹھتے ہیں، تو یہ چیز عوام میں دلیل بن جاتی ہے اور سارے لوگ اس عالم کی مثال دے کر اس ممنوع عمل کا ارتکاب کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل بالکل درست ہے، جس کی بنیاد محض یہی ہوتی ہے کہ فلاں عالم نے ایسا کیا تھا، حالاں کہ وہ کام سرے سے ناجائز اور حرام ہوتا ہے، اس لیے علماءِ دین کو تقویٰ وطہارت اختیار کرتے ہوئے انتہائی محتاط زندگی گزارنی چاہیے، خصوصاً آج کے اس نازک دور میں جہاں قدم قدم پر اسباب لہوولعب اور کھیل تماشے کے نام پر شیطانی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں اور علمِ دین سے ناواقف بددین لوگ دنیاوی مفاد کا لالچ دیکر اھلِ علم کو ایسی جگہوں پر لے جا کر اپنے کھیل تماشے کو جائز ٹھہرانے کے لیے پوری کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ریا کار قرّا اور علما کے بارے میں وعید

﴿۳۳﴾عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تَعَوَّذُوْ بِاللّٰہِ مِنْ جُبِّ الْحَزْنِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَمَا جُبُّ الْحَزْنِ قَالَ وَادٍ فِیْ جَھَنَّمِ یَتَعَوَّذُ مِنْہُ جَھَنَّمُ کُلَّ یَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَۃِمرّۃٍ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَ مَنْ یَّدْخُلُھَا قَالَ الْقُرَّاءُ الْمرَاؤُون بِأَعْمَالِھِمْ (رواہ الترمذیُ وَکَذَا ابنُ مَاجَۃَ وَ زَادَ فِیْہِ وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِ الْقُرَّاءِ إِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی الَّذِیْنَ یَزُوْرُوْنَ الْاَمَرَاءَ قَالَ الْمَحَارِبِیُّ یَعْنِی الْجَوْرَۃَ.(مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ "جب الحزن"یعنی رنج وغم کے کنویں سے اللہ کی پناہ چاہو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم أجمعین نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! یہ "جب الحزن" کیا ہے؟ فرمایا: یہ جہنم میں ایک ایسی گہری کھائی ہے، جس سے جہنم بھی روزانہ چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس میں کن لوگوں کو ڈالا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ قرآن پڑھنے والے، جو اپنے عمل میں ریاکاری کرتے ہیں۔(ترمذی)

اسی طرح ابنِ ماجہ نے بھی نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ قاریوں میں سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں، جو حکمرانوں سے ملاقات کرتے ہیں اور (اس حدیث کے ایک راوی) محاربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہاں حکمرانوں سے مراد ظالم حکمراں ہیں۔

﴿تشریح﴾ مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم أجمعین کو "جب الحزن" سے پناہ مانگنے کی انتہائی بلیغ انداز میں نصیحت فرمائی، جس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! "جب الحزن" سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم أجمعین عربی داں تھے، اس کے معنی تو سمجھ گئے، مگر مفہوم و مراد سے عدمِ واقفیت کے پیشِ نظر اس کی حقیقت شناسی کے لیے آپ ﷺ سے سوال کیا، "ما جب الحزن ؟" چناں چہ آپ ﷺ نے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ جہنم میں ایک کھائی ہے اور اپنے کمالِ عمق کی

وجہ سے اس لائق ہے کہ اس کو کنویں سے تعبیر کیا جائے اور وہ کھائی اس درجہ خوف ناک و دہشت آمیز ہے کہ یہ خاکی انسان تو درکنار خود جہنم، جو سراپا آگ ہی آگ ہے اور یہ کھائی، جس کا ایک حصہ ہے وہ بھی اس ہولناک کنویں جیسی گہری کھائی سے ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، لہذا اس سے اس کی ہیبت ناکی اور دہشت انگیزی کا بخوبی اندازلگایا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد صحابہؓ نے اس بدترین اور ہلاکت خیز جگہ میں داخل کیے جانے والوں کے بارے میں سوال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں ان افراد کو ڈالا جائے گا، جو ریا کاری اور شہرت و ناموری کے لیے قرآن پڑھتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں پر صرف ریا کار قاری ہی مراد نہیں ہیں، بل کہ انہی کی زمرے میں ریا کار عالم اور ریا کار عابد بھی داخل ہیں، کیوں کہ علم بھی تو قرآن ہی سے حاصل ہوتا ہے اور عبادت بھی قرآنی احکام کے مطابق ہی ہوتی ہے۔ لہذا یہ فرمانِ نبوی ﷺ ان تمام حضرات کو شامل ہے، چناں چہ، اگر ریا کاری کے جذبہ کے تحت یہ حضرات کسی عمل کو انجام دیں گے، تو انھیں بھی جہنم کی اسی گہری خندق کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

ابن ماجہ کی روایت میں مزید ان الفاظ کا اضافہ بھی منقول ہے "وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِ الْقُرَّاءِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالىٰ الَّذِيْنَ يَزُوْرُوْنَ الْأُمَرَاءَ" جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ علما و قرّا اور عبّاد و زھّاد انتہائی مبغوض و ناپسندیدہ ہیں، جو دنیادار حکمراں کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور دنیاوی اغراض و مقاصد کی حرص و طمع لے کر اربابِ اقتدار کے دروازوں کا چکر کاٹتے رہتے ہیں، کیوں کہ

علم وفضل، ذکر وعبادت تعلق مع اللہ اور قربِ خداوندی یہ وہ ذرائع ہیں جو انسانی قلوب سے مادی کثافتوں کا دبیز پردہ چاک کر کے دنیوی اغراض ومقاصد کو کچل کر آخرت میں ابدی کامیابی وکامرانی فراہم کرتے ہیں اور قرأتِ قرآن: یہ ایسا پاکیزہ عمل ہے، جس کے لفظ لفظ میں اجور وحسنات، حرف حرف پر محوِ سیّئات اور رحمت وبرکت کی بشارت دی گئی ہے اور وہ علمِ دین، جس کے فضل وکمال کی شہادت ذخیرۂ احادیث میں پورے آب وتاب کے ساتھ موجود ہے۔

اسی طرح وہ عبادت و ریاضت ، جسے دیدارِ الٰہی کا آئینہ دار اور لقاءِ خداوندی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، تو بھلا ان اہم قابلِ قدر صفات کے حاملین حضرات کا کسی غرضِ فاسد کے لیے دنیا دار ظالم حکمرانوں کے محلّات وسرائے کا گشت لگانا ،قابلِ مدح و ستائش اور لائقِ تعریف وتوصیف کیوں کر گردانا جاسکتا ہے، اسے تو ایک سنگین جرم، مبغوض عمل اور لائقِ زَجر وتوبیخ عمل ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔

مذکورہ حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی محاربی بھی ہیں ،انھوں نے اس کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ یہاں اُمرا سے مراد ظالم وجابر حکّام ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ پاک طینت ،ستودہ صفات، نیک سیرت، دین دار، عبادت گذار، عدل شعار اور انصاف پسند حکمرانوں کے یہاں جانا، پسندیدہ ہی نہیں، بل کہ قابلِ تحسین اور لائقِ تقلید عمل ہے، جو عبادت کے زمرے میں آتا ہے، کیوں کہ ایسے اُمرا کی زیارت وہم نشینی سے جذبۂ خیر اور اعمالِ حسنہ کا داعیہ پیدا ہوتا ہے ،یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ظالم اُمرا و حکام کے پاس

صالح مقصد کے لیے جانا بھی ایک پسندیدہ عمل ہے، مثلاً امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور بے راہ روی میں مبتلا اربابِ اقتدار کو راہِ راست پر گامزن کرنے کے لیے، ان سے ملاقات کرنا اور ان کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہی نہیں، بل کہ علماءِ کرام کے فرائضِ منصبی میں سے ہے، اسی طرح ان حکّام کے شرور وفتن سے حفاظت وصیانت کے پیشِ نظر بھی ان کی زیارت وملاقات کی جاسکتی ہے۔

خود کو بڑا عالم سمجھنے سے گریز کرنا چاہیے

﴿۳۴﴾عَنْ أُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوْسیٰ خَطِیْبًا فِيْ بَنِی إِسْرَائِیْلَ، فَسُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَقَالَ أَنَا أَعْلَمُ، فَعَتَبَ اللّٰہُ عَزّ وَ جَلّ عَلَیْہِ إِذْ لَمْ یَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَیْہِ فَقَالَ إِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِی بِمَجْمَعِ الْبَحْرَیْنِ ھُوَ أَعْلَمُ مِنْکَ.

(رواہ البخاری، بحوالۂ انوارِ ھدایت).

﴿ترجمہ﴾ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل میں تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، تو سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں، تو فوراً اللہ تعالیٰ نے اس بات پر گرفت فرمائی کہ یہ معاملہ اللہ کے حوالہ کیوں نہیں کر دیا؟ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک میرا ایک بندہ جو مجمع البحرین میں رہتا ہے، وہ آپ سے بڑا عالم ہے۔ (بخاری)

﴿تشریح﴾ مذکورہ حدیث میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ جن

لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو ہمیشہ تواضع و انکساری اور کسرِ نفسی اختیار کرنی چاہیے اور علمِ دین کی نعمتِ عظمیٰ عطا ہونے پر اللہ ربّ العزّت کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے، کیوں کہ علم کا حاصل ہو جانا اللہ کا خصوصی فضل ہے، وہ اگر چاہے تو منٹوں میں تمام علوم سلب کرسکتا ہے اور کبھی بھی اپنے بارے میں یہ تصوّر نہیں کرنا چاہیے کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں اور عجب و انانیت کے طور پر دل کے اندر اس طرح کا خیال بھی نہیں لانا چاہیے کہ میں مدرّس ہوں، واعظ ہوں، خطیب ہوں، محدّث ہوں، مصنف ہوں، مفتی ہوں، متقی و پرہیز گار ہوں، بل کہ ہمیشہ یہ تصوّر کرنا چاہیے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اور علم و فضل میں تمام علما مجھ سے بڑے ہیں اور اس حقیقت کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ سب سے بڑا عالم کوئی ہو ہی نہیں سکتا، کیوں کہ اللہ ربّ العزّت کا یہ صاف ارشاد ہے "وَ فَوْقُ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ" کہ ہر اہلِ علم کے اوپر کوئی نہ کوئی بڑا عالم ہوتا ہے" اس حدیث کے اندر موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے رسول تھے اور قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ اسی جلالتِ شان کے ساتھ متعدّد مقامات پر بیان فرمایا ہے، چناں چہ ایک مرتبہ انھوں نے بنی اسرائیل میں نہایت جامع اور مؤثّر انداز میں پر مغز وعظ فرمایا، جس کے نتیجے میں لوگوں پر اس کا اچھا اثر ہوا، تو مجمع میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول علیہ السلام! اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ سے بھی بڑا کوئی عالم

دنیا میں ہے؟

لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوچ کر کہ اللہ اپنے پیغمبر و رسول کو سب سے زیادہ علم عطا کرتا ہے، جواب میں فرما دیا کہ سب سے بڑا عالم میں ہوں اور اس مسئلے کو اللہ کے سپرد نہیں فرمایا، جس کی وجہ سے اللہ رب العزّت کو آپ کا یہ طرزِ جواب پسند نہیں آیا اور پیغمبر ہونے کے باوجود بارگاہِ خداوندی سے فوراً یہ تنبیہ آئی کہ اے موسیٰ! تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ تم ہی سب سے بڑے عالم ہو ،بل کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے، جو تم سے بڑا عالم ہے، حالاں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کی یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ اس وقت مجمع میں آپ سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا، ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجمع کے اعتبار سے اپنے آپ کو سب سے بڑا عالم گردانا ہو، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے کسرِ نفسی کی طرف توجہ دلانے کے لیے آپ کی گرفت فرمائی کہ اس طرح کے سوال کو اللہ کے سپرد کر دینا ہی آپ کی شان کے لائق ہے۔

یقیناً یہ واقعہ علماءِ کرام کے لیے عبرت کا سامان فراہم کرتا ہے اور خود کو بڑا عالم باور کرانے سے بچنے کی تاکید کرتا ہے، کیوں کہ اللہ نے بڑا عالم سمجھنے پر اپنے پیغمبر تک کی عتاب کے ساتھ گرفت فرمائی، جب کہ دنیا کے اندر جو علما پیدا ہوئے وہ علم و فضل میں اپنی جگہ چاہے کتنے ہی بڑے اور کامل ہوں، مگر پیغمبر سے بڑے ہرگز نہیں ہو سکتے، تو اسی سے انداز لگایا جا سکتا ہے کہ جب اللہ کو پیغمبر کا بڑا عالم سمجھنا پسند نہیں آیا، تو ان کے مقابلے میں علما کی کیا حیثیت ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا عالم شمار کریں، اس لیے اہلِ علم کو بڑا سمجھنے سے بہت

زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔

علم پر عمل نہ کرنا علم کو اٹھا دینا ہے

﴿۳۵﴾عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ :ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ ذَاكَ عِنْدَ أَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَ كَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَ نَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَنُقْرِؤُهُ اَبْنَائَنَا وَ يُقْرِئُهُ اَبْنَاؤُنَا اَبْنَائَهُمْ إِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ زِيَادُ إِنِّي كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ أَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ أَوَ لَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصَارٰى يَقْرَؤُوْنَ التَّوْرَاةَ وَالإِنْجِيْلَ لَا يَعْقِلُوْنَ بِشَيءٍ مِمَّا فِيْهِمَا .(رواه أحمد و ابن ماجة و روى الترمذی عنه نحوه ،و كذا الدارمی عن أبی أمامة،مشكوٰة).

﴿ترجمہ﴾ حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز (فتنہ وفساد میں لوگوں کے مبتلا ہونے) کا ذکر فرمایا اور پھر فرمایا کہ ایسا اس وقت ہوگا، جب علم اٹھ جائے گا،اس پر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! علم کیسے اٹھ جائے گا،ہم بھی قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی قرآن پڑھائیں گے اور پھر وہ بچے (پڑھنے کے بعد بڑے ہوکر) اپنی اولاد کو پڑھائیں گے، قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے زیاد! تجھے تیری ماں گم کرے، میں تو تمھیں مدینہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ سمجھ دار آدمی سمجھتا تھا، کیا یہ یہود و نصاریٰ توریت وانجیل نہیں پڑھتے ہیں،مگر ان کتابوں میں (احکام و

ہدایت کی صورت میں) جو کچھ ہے ان میں کسی چیز پر وہ عمل نہیں کرتے (احمد ،ابنِ ماجہ اوراسی طرح کی روایت ترمذی نے بھی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ سے ہی اور ایسے ہی دارمی نے حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے۔)

﴿تشریح﴾ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ علم صرف پڑھ لینے کا نام نہیں ہے، کیوں کہ شریعت کی نظر میں مفید وکارگر علم وہ ہے، جس پر عمل بھی کیا جاتا ہواور ایسا ہی علم ہر اٹھنے والے فتنہ کو دبانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو ظاہر فرماتے ہوئے کچھ فتنوں کے اٹھنے کی خبر دی اوران کے وقوع پذیر ہونے کے لیے بطورِ سبب یہ فرمایا کہ ایسا اس وقت ہوگا، جب علم اٹھ جائے گا ،حضرت زیاد رضی اللہ عنہ علم اٹھ جانے کا مطلب یہ سمجھے کہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، چناں چہ اسی کا انھوں نے اظہار بھی کیا،جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب خیز مگر درحقیقت شفقت ومحبت سے لبریز یہ الفاظ ان کے لیے استعمال فرمائے ”ثـكـلتك أمّك“ کہ تجھے تیری ماں گم کرے۔ دراصل یہ ایک محاورہ ہے جسے اہلِ عرب اظہارِ حیرت اور کبھی خفگی کے لیے استعمال کرتے ہیں اور یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے ،جس سے ایک مسئلہ یہ بھی واضح ہوا کہ اگر شاگردوں سے خلافِ توقع کوئی امر کا صدور ہو، تو اس پر استاد خفگی یا اظہارِ تعجب کرسکتا ہے، بہر حال اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی

اصلاح کی اور غلط فہمی کے نتیجے میں صحیح صورتِ حال سے آگاہ فرماتے ہوئے کہا کہ سمجھ دار ہوتے ہوئے بھی میری بات کا اصل مقصد نہیں سمجھ سکے اور یہ خیال کرلیا کہ علم اور قرآن محض پڑھنے پڑھانے اور جان لینے کا نام ہے خواہ اس پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، یہ تو یہود و نصاریٰ کا شعار ہے، جو تورات وانجیل پڑھتے پڑھاتے تو ضرور ہیں، لیکن ان کے اندر موجود اوامر و نواہی اور دیگر احکام و ہدایات پر عمل نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ غلط عقائد و افکار ان میں جنم لے رہے ہیں اور باطل نظریات کو اپنانا ان کا شیوہ بن چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ لوگوں نے بھی محض قرآن کو پڑھنا پڑھانا ہی اور دینی علوم و احکام کو جان لینا ہی سب کچھ سمجھ لیا ہے اور عمل سے بے بہرہ ہو کر صرف دینی تعلیم کو اپنا منظورِ نظر بنا لیا ہے، تو یاد رکھو! کہ تم بے عملی کی وجہ سے فتنوں کے شکار ہو جاؤ گے، کیوں کہ بے عمل عالم اور جاہل میں کوئی فرق نہیں ہے، بل کہ ایسا عالم تو جاہل سے بھی بدتر ہے۔ بے عملی ہی کی وجہ سے قرآنِ کریم نے علماءِ یہود کی منظر کشی ان الفاظ میں کی ہے، ”مثل الّذین حُمّلوا التوراۃَ ثمّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا“ کہ جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے جیسی ہے، جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے وہ گدھا نفع اٹھانے سے محروم ہے، کتابیں اٹھا کر بلا وجہ تعب و مشقت میں مبتلا ہے۔ یہی بے عمل عالم کی مثال ہے کہ علم کی تحصیل کا اصل مقصد اس پر عمل کرنا ہے، جب عمل علم کے مطابق نہیں کیا گیا، تو گویا بے فائدہ حصولِ علم میں محنت و

مشقت برداشت کی، قیمتی اوقات ضائع کر دئے گئے، آیتِ کریمہ کے اندر گدھے کی مثال دے کر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم پر عمل نہ کرنا انتہائی درجے کی بے وقوفی ہے، کیوں کہ گدھا تمام جانوروں میں سب سے زیادہ بے وقوف مانا جاتا ہے، اس سے علم بلا عمل کی حد درجہ قباحت و شناعت معلوم ہورہی ہے، اسی لیے بے عمل علما کو جانوروں کے مثل، بل کہ ان سے بھی زیادہ بدتر قرار دیا گیا، کیوں کہ علما عاقل ہیں اور جانور غیر عاقل ہیں اس لیے علم کو عمل میں ڈھالنا چاہیے، اگر ایسا نہیں ہوا، تو اس علم کی مثال اس کاغذی (نقلی) نوٹ کی طرح ہوگی، جس سے کوئی چیز خریدی نہیں جا سکتی، بہرحال نبوی پیشین گوئی کے مطابق، جب بھی علم پر سے عمل اٹھ جائے گا اسی وقت شرور وفتن کے دروازے کھل جائیں گے، جس کے نتیجے میں لادینیت اور گمراہی کا پھیلنا طے ہے، اس لیے علم پر عمل بہرصورت ہونا چاہیے۔

علم دین زیادہ سے زیادہ پھیلانے کا حکم

﴿۳۶﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ. (رواہ البخاری، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری جانب سے (میرے فرمودات) دوسرے لوگوں تک پہونچاؤ، اگرچہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو اور بنو اسرائیل کی باتیں

نقل کر سکتے ہو اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اور جس شخص نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کی، اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کر لے۔ (بخاری)

﴿تشریح﴾ اس مبارک حدیث کے اندر آپ نے اپنی تعلیمات، بل کہ اسلام کی نشر و اشاعت اور علمِ دین کو دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب و تلقین کی ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ تم میرے تمام اقوال و افعال، اعمال و اخلاق اور میری زندگی کے تمام گوشوں کو دوسروں تک پہنچاؤ، اگر چہ وہ الفاظ کے اعتبار سے مختصر ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ آپ ﷺ کے چھوٹے اور مختصر جملے بھی اپنے اندر علم و حکمت کا عظیم ذخیرہ رکھتے ہیں اور ان میں امت کی فلاح و بہبود کے لیے، قیمتی جوہر پنہا رہتے ہیں۔ جیسے "مَنْ صَمَتَ نَجَا" جو خاموش رہا، وہ نجات پا گیا۔ "تَصُوْمُوْا تَصِحُّوْا" روزہ رکھو، صحت یاب ہو جاؤ گے۔ دیکھنے میں یہ جملے مختصر ہیں، مگر ان کی لفظی فصاحت و بلاغت اور معنوی عظمت و رفعت کا یہ حال ہے کہ غیر بھی حیرت و استعجاب میں آکر، انگشتِ بدنداں ہیں۔

حدیث شریف میں لفظ "آیۃ" کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے، جس کا فائدہ یہ ہے کہ میری کوئی بھی بات لوگوں تک پہونچانے میں دریغ نہ کرو پوری حدیث، اگر یاد نہ ہو تو کم از کم موقعہ اور محل کے مناسبت سے اس کا کوئی مفید جملہ ہی لوگوں کے سامنے بیان کر دو، گویا اس اعتبار سے آپ ﷺ نے اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ علم کو پھیلانے اور دین کی روشنی سے جہالت و گمراہی کی

تاریکیاں دور کرنے میں، جو شخص جتنی جدو جہداور محنت ومشقت اٹھا سکتا ہے، اس سے پیچھے نہ ہٹے، کیوں کہ آپ ﷺ کے فرمان ''بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً'' کا منشااور مقتضیٰ یہی ہے۔''وَحَدِّ ثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَلَا حَرَجَ'' کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے تاریخی واقعات اوران کی ترقی وتنزلی کے اسباب ووجوہات کوعبرت وبصیرت حاصل کرنے کے لیے،لوگوں کے سامنے بیان کیا جاسکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے،لیکن جہاں تک ان کے مذہبی عقائدواحکام کاتعلق ہے،توان کونقل کرنااوردوسروں تک پہونچانا قطعاً ممنوع ہے، کیوں کہ تمام شرائع نبی کریم ﷺ کی شریعتِ مطہرہ کےآنے کے بعد ہمیشہ کے لیے منسوخ اورکالعدم ہوچکی ہیں۔لہذااب شریعتِ محمّدی کے علاوہ کسی بھی شریعت ومذہب کی نشرواشاعت، ہرگز ہرگز روانہیں ہوسکتی۔

''مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً الخ'' یہ جملہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے جھوٹی حدیث گڑھنے کی سخت ترین ممانعت اوراس برائی کا ارتکاب کرنے والے کےحق میں نہایت ہی سخت زجروتوبیخ کے طور پر وارد ہوا ہے اوراگر دیکھا جائے ،تو درحقیقت یہ بہت ہی خطرناک وارننگ ہے،ان لوگوں کے لیے، جواپنے اغراض ومقاصداورآرزؤں کی تکمیل کے لیے،احادیث گھڑکر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں،یا جانتے ہوئے بھی لوگوں میں اپنا اثر ورسوخ ،یااپنے بیان وتقریر کالوہا منوانے کے لیےموضوع احادیث سناتے پھرتے ہیں،توایسے جاہل مقررین اورعلماءِسوءکوعذابِ جہنّم کی گرفت میں آنے کے لیے تیاررہنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی حدیث کو

منسوب کرنا، متفقہ طور پر تمام علما کے نزدیک حرام اور کبیرہ گناہ ہے، بل کہ امام محمّد جوینیؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص موضوع حدیث بیان کرے، وہ کافر ہے، اس لیے کہ اس سے شریعت کی اہانت اور کمزوری لازم آتی ہے۔ یہاں پر یہ بات واضح رہے کہ اگر کوئی شخص کسی راوی یا کتاب سے کوئی موضوع حدیث لا علمی کی وجہ سے نقل کرتا ہے، تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا۔

علم سے فائدہ نہ اٹھانے والے کا انجام

﴿۳۷﴾ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَشَدَّالنَّاسِ عَذَاباً یَوْمَ الْقِیَا مَةِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْهُ عِلْمُهُ. (رواہ االطیا لسی فی سننہ و سعید بن منصور فی سننہٖ و ابن عدی فی الکامل و البیھقی فی شعب الایمان ،بحوالہ معارف الحدیث) .

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا، جس کو اس کے علمِ دین نے نفع نہیں پہنچایا؛ یعنی اس نے اپنی عملی زندگی کو علم کے تابع نہیں بنایا۔ (مسند ابو داود طیالسی سنن سعید بن منصور کامل بن عدی شعب الایمان للبیہقی)

﴿تشریح﴾ بعض گناہ ایسے ہیں، جن کو بلا تفریق مؤمن و کافر سب ہی انسان شدید و سنگین جرم سمجھتے ہیں، مثلاً ڈاکہ زنی، خونِ ناحق، زنا بالجبر، چوری، رشوت ستانی، کمزور و ناتواں پر ظلم و زیادتی، لوگوں کی حق تلفی اور اس طرح کے دیگر بے شمار ظالمانہ گناہ، لیکن بہت سے گناہ ایسے ہیں، جن کی

ہلاکت خیزی اور سنگینی کو عام انسانی نگاہ محسوس نہیں کرتی، حالاں کہ وہ گناہ بھی دوسرے کبائر و فواحش کی طرح خطرناک اور سزا کے مستوجب ہیں، یا ان سے بھی زیادہ شدّت وقباحت اپنے اندر لیے ہوئے ہیں، جیسے علمِ دین کی تحصیل دنیوی اغراض اور مقاصد کے لیے یا علمِ دین سیکھ کر عملی زندگی کو اس کے تابع نہ بنانا، اس کے برخلاف زندگی گزارنا یہ ایسے گناہ ہیں، جو درحقیقت اللہ کے نزدیک سخت بدترین عذاب کے سبب ہیں، کیوں کہ اس قسم کے گناہوں میں اللہ اور رسول کی ہدایت وشریعت اور مقدس دینی علوم کی حق تلفی و پامالی اور ایک طرح کا ان پر ظلم عظیم ہوتا ہے، جس کی سنگینی اور شدّت کو اللہ کے وہی بندے محسوس کر سکتے ہیں، جن کے قلوب دین وشریعت اور ان کے علوم کی عظمت سے آشنا ہوں گے۔

اسی لیے مذکورہ حدیث میں ایسے عالم کو قیامت کے دن لوگوں میں سخت ترین عذاب کا مستحق گردانا گیا ہے، جسے اس کے علم نے فائدہ سے محروم رکھا اور اسی مفہوم کی ایک حدیث حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، جس کے اندر آپ نے فرمایا ہے کہ روزِ قیامت اللہ کے نزدیک سب سے بد ترین مرتبہ کا حامل وہ شخص ہوگا، جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا ہوگا۔ (دارمی بحوالہ مشکوٰۃ) اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کی کچھ نہ کچھ غرض وغایت ہوتی ہے، جس کے تحت انسان اس کے حصول کی سعی وکوشش کرتا ہے اور علم دین لازوال نعمت ہے، جو اپنے اندر ایک اہم مقصد لیے ہوئے ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور علم کی افادیت یہی ہے کہ اس پر

عمل کیا جائے ۔دین کے ماموراتِ ومنہیات پر صحیح طریقہ سے کار بند رہا جائے ، کیوں کہ عمل علم کی روح ہے، جس طرح جسم بغیر روح کے بیکار شئ کے مانند ہے، اسی طرح وہ علم جو عمل کی آمیزش سے خالی ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عمل کے مفقود ہونے کی صورت میں عالم کی سزا بھی سخت ترین وارد ہوئی ہے، بل کہ بے عمل عالم قیامت کے دن جاہل کے عذاب سے سخت عذاب کا مستحق ہوگا، جیسا کہ منقول ہے'' وَيْلٌ لِلْجَاهِلِ مَرَّةً وَوَيْلٌ لِلْعَالِمِ سَبْعَ مَرَّاتٍ '' کہ جاہل پر ایک بار افسوس اور عالم پر سات بار افسوس ہے۔

یہاں پر علم سے فائدہ نہ اٹھانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص نے ایسے علم کے حصول میں زندگی صرف کی ، جو کسی بھی طرح کا اخروی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، بل کہ وہ علمِ دین وشریعت کے خلاف اور تصادم کا حامل ہے، تو وہ علم بھی مفید اور کارآمد تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا ایسے علم کو حاصل کرنے والا شخص بھی قیامت کے دن حدیث کے اندر مذکورہ سزا کا مستوجب قرار پائے گا۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ ان لوگوں کو جو صرف دنیاوی اغراض ومقاصد کو پیش نظر رکھ کر اپنے بچوں کو ان اسکولوں اور کالجوں کے حوالے کر دیتے ہیں، جس کے اندر اسلامی تعلیم وتربیت بالکل ناپید رہتی ہے، بل کہ اب تو بعض ادارے ایسے وجود پذیر ہو گئے ہیں کہ ان کے اندر مذہبی امور سے متعلق گفتگو تک کرنا ممنوع ہے اور افسوس کہ ان اداروں میں ہمارے مسلم بچے بھی حصولِ تعلیم کے لئے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایسے

بچے لادینیت اور دہریت کا شکار ہوکر دین وایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اللہ تمام مسلمانوں کو ایسے اداروں سے دور رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

حدیث سن کر دوسروں تک پہنچانے والے کے حق میں آپ ﷺ کی دعا

﴿۳۸﴾ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْأً فَبَلَّغَهٗ كَمَا سَمِعَهٗ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعَىٰ لَهٗ مِنْ سَامِعٍ. (رواه الترمذی و ابن ماجه و رواه الدارمی عن ابی الدرداء مشکوٰة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے، جس نے ہم سے کچھ سنا اور پھر اسے جیسا سنا تھا، ویسا ہی دوسروں تک پہونچا دیا، کیوں کہ بہت سے جنھیں پہنچایا جاتا ہے، سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے حضرت ابودرداء کے حوالہ سے اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔)

﴿تشریح﴾ اس حدیث کے اندر آپ ﷺ احادیث نبوی ﷺ کو یاد رکھ کر، اس کی تبلیغ وترویج اور اشاعت وتشہیر کرنے والوں کو مژدۂ جانفزا سنا رہے ہیں کہ اللہ ایسے شخص کو تروتازہ اور خوش وخرم رکھے، جس نے میرے کلام کو جیسا سنا، ویسا ہی دوسروں تک منتقل کردیا، چناں چہ اس بیش بہا قیمتی دعا

کی برکت سے دیکھا گیا ہے کہ عموماً، جو حضرات احادیث نبویہ ﷺ کی تحصیل وتعلیم، اشاعت وترویج اور درس وتدریس وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، وہ ہمیشہ شاداں وفرحاں اور قدرومنزلت کے اعتبار سے اس دنیوی زندگی میں بڑی اہمیت وفوقیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کو جنت میں کتنی اہم اور قابلِ رشک نعمتوں سے نوازا جائے گا، نبی کریم ﷺ کی اس بابرکت دعا میں آپ ﷺ کی حدیث سننے والے اسے نقل کرنے والے، حفظ کرنے والے یہ تمام ہی حضرات شامل ہیں، بل کہ اگر کچھ توسّع سے کام لیا جائے، تو وہ سارے لوگ اس دعا کے مصداق بن جائیں گے، جو کسی بھی نوعیت سے احادیثِ نبویّہ ﷺ کی خدمت میں مشغول ہیں اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ جن کے حق میں زبانِ رسالت دعا گو ہو، وہ دنیوی اور اخروی ہر اعتبار سے سعادت مند ہیں۔

مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے حدیث سن کر، دوسروں تک پہنچانے کی حکمت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ جس کو حدیث پہنچائی جائے وہ پہنچانے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوگا، بل کہ اسی طرح کی حدیث میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ منقول ہیں "فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلىٰ مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْه" جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ حاملِ فقہ؛ یعنی حدیث کو جاننے اور سننے والا اس کے معانی ومطالب اسرار ومعارف اور اس سے ثابت شدہ احکام ومسائل تک پہنچنے کی استعداد وصلاحیت نہیں رکھتا ہے، جب کہ شریعت کا منشا الفاظِ حدیث کے ساتھ اس کے

اندر موجود احکام ومسائل وغیرہ کی ترویج واشاعت بھی ہے۔

اگراس حدیث کو دوسروں تک پہنچا دیا جائے گا، تو ان میں جو لوگ فقیہ ہوں گے وہ اپنی دینی تفقہ کی وجہ سے اس حدیث کے اندر موجود مسائل کا استنباط واستخراج کر کے دیگر افرادِ امت کو روشناس کرائیں گے۔ دراصل آپ ﷺ نے اسی کی ترغیب دی ہے اور امت کی توجہ اسی حکمت کی طرف مبذول کرائی ہے، لیکن یہاں پر یہ بھی ذہن نشیں رہنا چاہیے کہ آپ ﷺ کی دعا کے اندر دونوں شامل رہیں گے؛ یعنی حدیث سن کر پہنچانے والا بھی اور اس سے مسائل وغیرہ استنباط کرنے والا بھی، اسی طرح اگر کوئی شخص حدیث سننے کے ساتھ ساتھ اس کے معانی ومطالب کو بھی سمجھتا ہے اور اپنی فہم و فراست کی حد تک اس سے کوئی مسئلہ بھی نکال لیتا ہے، تو ایسے شخص کو بھی وہ حدیث دوسروں تک پہنچا دینا چاہیے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان "رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلیٰ مَنْ هُوَا فقهُ مِنْهُ" اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور قرآنِ کریم کے اس اعلان "فَوْق کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ" سے بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ علم وادراک اور احکام ومسائل کے استنباط و استخراج کے اعتبار سے لوگوں کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں اور ہر شخص اپنی صلاحیت اور علم ودانش کے مطابق ہی مسائل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

لہٰذا فقیہ کو بھی حدیث دوسرے تک پہنچانے سے گریز نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسرا شخص فقہی بصیرت اور فہم وادراک میں فوقیت رکھتا ہو، یہاں پر یہ بات بھی واضح رہنا چاہیے کہ حدیث

کے الفاظ " نَضَّرَاللّٰهُ امراً سمع مناشیأً" کے ضمن میں صحابۂ کرامؓ کے اقوال وا فعال بھی داخل ہیں۔لہٰذا اگر کوئی انسان اقوالِ صحابہ کو سن کر دوسروں تک پہونچاتا ہے، تو وہ بھی اجر کا مستحق قرار پائے گا کیوں کہ آپ ﷺ کے قول میں " منّا " کو جمع لایا گیا ہے، جو اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ کے اقوال وافعال بھی مذکورہ حدیث کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرمانِ رسول ﷺ کی طرح اصحابِ رسول ﷺ کے اقوال وافعال بھی ہمارے لیے لائقِ تقلید اور قابلِ نشر واشاعت ہیں، چناں چہ ان کی ترویج وتبلیغ کرنے والے حضرات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خبری کا مصداق قرار پائیں گے۔

قرآن کریم میں جھگڑنا کفر ہے

﴿۳۹﴾عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرآنِ كُفْرٌ.(رواہ احمد وابوداؤد، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کریم میں جھگڑنا کفر ہے۔(احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾قرآن کریم میں جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ذاتی افکار وخیالات اور اپنے ذہنی رجحانات وتصورات کو کلام اللہ سے ثابت کرنے کی خاطر یا اپنی بدفہمی کے تحت آیاتِ قرآنی میں معنی ومفہوم کا باہمی تضاد پیدا کر کے کسی آیت کی مراد کو کسی دوسری آیت سے جھٹلانے کی

کوشش کرے یا قرآنی آیتوں کے سلسلے میں اپنی رائے پر اس درجہ اعتماد و وثوق کر لے کہ اس کے خلاف دوسرے کی بیان کردہ تفاسیر کو غلطی پر محمول کرے اور اپنے معنی و مفہوم کی تصحیح و تائید میں غلط اور مردود تاویلاتِ فاسدہ کا سہارا لے کر نا قابلِ التفات دلائل کو پیش کرے، تو ایسا شخص قرآن کریم کے معاملے میں نہایت ہی سنگین جرم کا مرتکب ہے، اسی وجہ سے حدیث میں اس کو کفر فرمایا گیا ہے، کیوں کہ ایسا کرنے میں کلامِ الٰہی کے ساتھ کھلواڑ اور اپنے قلبی رجحانات ونظریات اور ذہنی افکار وخیالات کے سلسلے میں اصرار پایا جاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ کفر ہی ہے۔

لہٰذا ہر اس شخص کو جو اللہ اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو، اس کو اس طرح کے سنگین اور نا قابلِ معافی جرم کا ارتکاب کرنے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے اور صرف یہ کوشش کرنی چاہیے کہ آیاتِ قرآنی میں مفہوم و مراد کی باہمی موافقت و مطابقت ہر حال میں برقرار رہے اور اس میں اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کو ثابت کرنے کے لیے کسی بھی ایسے خارجی نظریات وخیالات کا دخل نہیں ہونا چاہیے، جو رسول اللہ ﷺ، صحابہ وتابعین اور بزرگانِ سلف کے ان تفسیری ارشادات واقوال سے متصادم ہو، جو تواتر وتسلسل کے ساتھ ثابت ہیں ہاں اگر کسی آیت میں کسی دوسری آیت کے ساتھ عدم مطابقت معلوم ہو، جیسا کہ قرآن کریم میں مختلف جگہیں اور متعدد مقامات ایسے ہیں کہ ان کے مابین بظاہر تعارض وتضاد نظر آتا ہے، تو ان کے درمیان توافق پیدا کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ اور اسی

طرح سلفِ صالحین میں ان مفسرین کی تفسیروں کی طرف رجوع کرنا چاہیے ، جواس میدان میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اورانھیں کے بیان کیے ہوئے تفسیری ارشادات ومنقولات کی روشنی میں متعارض آیتوں کے مفہوم کوسمجھنے کی سعی کرنی چاہیےاوراپنی فہم وبصیرت کےاعتبار سےمطابقت وموافقت پیدا کرنے کے لیے پوری توجہ صرف کرنی چاہیے، اس کے باوجودبھی دفعِ تعارض نہ ہوسکے اورآیتوں کے درمیان مطابقت وموافقت سمجھ میں نہ آئے ،تواپنی ہی کج فہمی اورکم علمی کوقصوروارٹھہرائے اوراس کاعلم اللہ اوراس کے رسول کے حوالے کردے۔اپنے افکاروخیالات کے مطابق غلط تاویل وتفسیر ہرگزنہ کرے، کیوں کہ یہ ایک ایسامہلک مرض ہے، جوانسان کوراہ راست سے منحرف کردیتاہے۔

فرق باطلہ کےعقائدونظریات کاجب جائزہ لیاجاتاہے،تویہی بات منکشف ہوکرسامنے آتی ہے کہ وہ لوگ قرآنی آیات کی توضیح وتشریحات میں غلط نظریات اورمن مانی تاویلات وتوجیہات میں مبتلا ہوگئے تھے،جس کے باعث یہ لوگ راہِ راست سے منحرف قرارپائے یہاں پربطورنمونہ ایک مثال پیش کی جارہی ہے۔ اہلِ سنّت والجماعت کایہ متفقہ عقیدہ ہے کہ بندوں سے اعمال صالحہ اوراعمال سیّئہ دونوں کا صدوروظہورتقدیرالٰہی کے تحت ہوتاہےاس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے۔"قُلْ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰہ" (کہدوکہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے) یہ ایک ایساعقیدہ ہے،جس کاحق ہوناثابت ہے،لیکن فرقۂ قدریہ کےلوگ اس عقیدے کی تکذیب اس

آیت کے ذریعہ کرتے ہیں،" مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ" (نیکی وبھلائی کی قسم سے جو چیز تمھیں پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور بدی وبرائی کی قسم سے جو چیز تمھیں پہنچتی ہے وہ تمارے نفس کی طرف سے ہے) اس آیت کو لے کر قدریہ نے اس عقیدہ کو ثابت کیا کہ اعمالِ صالح کا صدور تو تقدیر الٰہی اور من جانب اللہ ہے، لیکن اعمال سیئہ کے صدور میں تقدیر الٰہی کو دخل نہیں ہے۔ اس طرح سے ان حضرات نے تعارض پیدا کر کے " قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کے ذریعے ثابت شدہ متفق علیہ عقیدہ کو باطل قرار دینے کی کوشش کی ہے، حالاں کہ ایسی آیتوں کے بارے میں، جو بظاہر ایک دوسرے سے عدمِ مطابقت رکھتی ہیں واضح حکم یہی ہے کے اس آیت پر عمل کیا جائے، جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور دوسری آیت کو تاویل کے ذریعے موافق بنانے کی کوشش کی جائے بایں طور کہ دوسری آیت کے بارے میں کہا جائے کہ اس کا تعلق اپنے ماقبل سے ہے، جہاں منافقوں کی برائی بیان کی گئی ہے اور یہاں پر اس آیت کے ذریعے انھیں منافقوں کی بدعقیدگی کو ظاھر کرنا ہے، گویا یہ آیت اس بات کو بیان کرر ہی ہے کہ ان منافقوں کی عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ صحیح اور حق بات کو سمجھتے ہی نہیں اور یوں کہتے ہیں کہ نیکی اور بھلائی کی قبیل سے ظاھر ہونے والی چیزیں اللہ کی طرف سے ہے اور برائی وبدی کی قبیل سے صادر ہونے والی چیزیں اپنے نفس کی طرف سے ہے، ایسی توجیہہ وتاویل کی صورت میں " المرء فی القرآن" بھی لازم نہیں آئے گا اور مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ پر کو

ئی زد بھی نہیں آئے گی لہٰذا ہر ایسے مقام پر یہی صورت اختیار کرنی چاہیے، محض اپنی عقل ورائے پر اعتماد کر کے بے راہ روی اور گمراہی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

واعظ وناصح کے لیے اہم ہدایت

﴿۴۰﴾ عَنْ شَقِیْقٍ قَالَ: کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ یُذَکِّرُ النَّاسَ فِیْ کُلِّ خَمسٍ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ یَاْ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰن لَوَدِدْتُ اَنّکَ ذَکَّرْتَنَا فِیْ کُلِّ یومٍ قَالَ اَمَا اِنَّہٗ یَمْنَعُنِیْ مِنْ ذَالِکَ اَنِّی اَکْرَہُ اَنْ اُمِلَّکُمْ وَاِنِّیْ اَتَخوَّلُکُمْ بِا لْمَوْعِظَۃِ کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَتَخوَّلُنَاْ بِھَاْ مَخَافَۃَ السّا مَۃِ عَلَیْنَاْ. (متفق علیہ،مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت شقیقؒ (تابعی) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے (ایک دن) کسی نے ان سے (ان کی کنیت کے ذریعے مخاطب کر کے) کہا اے ابو عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں روزآنہ پندونصائح سے مستفید فرمائیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں، جو چیز میرے لیے مانع ہے، وہ یہ ہے کہ (روزآنہ کے وعظ وبیان کے ذریعے) تم لوگوں کو تنگی اور اکتاہٹ میں ڈالنا مجھے پسند نہیں ہے، میں تو نصیحت کرنے میں تمھارے واسطے موقعے اور وقت کی رعایت کرتا ہوں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری تنگی اور اکتاہٹ کے خدشے کا لحاظ کرتے ہوئے، ہمیں نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

﴿تشریح﴾ مذکورہ حدیث شریف میں وعظ ونصیحت سے متعلق ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور خطابت و بیان کو مؤثر بنانے کے لیے بہت ہی قیمتی ہدایت دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ واعظین ومبلغین اور اہلِ علم حضرات کو سامعین کی رعایت کرتے ہوئے، وعظ ونصیحت کرنی چاہیے ہمہ وقت اور ہر روز تقریر و بیان سے احتراز کرنا چاہیے، اس لیے کہ کلام خواہ کتنا ہی بیش قیمتی کیوں نہ ہو اور اس میں کتنا ہی مٹھاس اور شیرینی کیوں نہ پائی جائے، اس وقت تک مؤثر اور مفید نہیں ہوسکتا، جب تک کہ سامعین کی تمام تر توجہات اس کی طرف مبذول نہ ہو جائیں، کیوں کہ کلام کی سحر انگیزی اسی وقت ظاہر ہوتی ہے، جب مخاطبین پورے نشاط وانہماک اور دلجمعی کے ساتھ اس کو سماعت بھی کریں۔

لیکن جب ہر روز تقاریر و بیانات ہوں گے اور وقفہ وقفہ سے عوامی طبیعت کی رعایت کئے بغیر، وعظ ونصیحت کی مجالس کا انعقاد ہوگا، تو گرچہ فی نفسہٖ کلام کی عظمت اپنی جگہ باقی رہے گی، لیکن سامعین کو اس سے اکتاہٹ اور گرانی محسوس ہوگی، جس کے نتیجے میں قرآن وحدیث کے اوپر مشتمل وعظ و بیان کی اہمیت وفضیلت عوام کے قلوب واذہان سے نکل جائے گی اور ایسی کیفیت کا پیدا ہوجانا، قرآن وحدیث کی توہین و بے ادبی کو مستلزم ہے، اسی خوف کے پیشِ نظر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے ہفتے میں صرف ایک دن یعنی جمعرات کو وعظ ونصیحت کرتے تھے، جس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا تھا کہ لوگوں کو جمعرات کی آمد کا شدت سے انتظار رہتا تھا،

جیسا کہ حدیث کے الفاظ "لَوَدِدْتُ انّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يومٍ" سے ان لوگوں کی بے چینی اور تحصیلِ علم کے ذوق وشوق کا پورا پورا اندازہ ہو رہا ہے کہ انھیں علم اور وعظ ونصیحت کی کس قدر چاہت وطلب تھی، مگر اس کے باوجود بھی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا معمول نہیں بدلا، بل کہ ان حضرات کی مخلصانہ خواہش کا احترام کرتے ہوئے، روزانہ وعظ ونصیحت نہ کرنے کی معقول وجہ بھی بتلائی اور اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بھی یاد دلایا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ امور میں ہماری رعایت فرماتے تھے، اسی طرح وعظ وتقریر میں بھی ہمارا خیال فرماتے تھے، تاکہ ہمیں تنگی اور اکتاہٹ محسوس نہ ہو۔

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ونصیحت نہ اتنی طویل وعریض ہوتی کہ لوگ پریشان ہوکر کھسکنا شروع کر دیں اور نہ ہی روز بروز ہوتی کہ لوگ مجلس میں آنا ہی ترک کر دیں، بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ ونصیحت کے لیے موقع کی تلاش وجستجو فرماتے اور لوگوں کے نشاط وآمادگی کا لحاظ کرتے ہوئے، نہایت ہی شفقت ومحبت اور نرم خوئی کے انداز میں خطاب فرماتے تھے اور ایسے اوصاف کا حامل خطاب یقینی طور پر حد سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

اس لیے تمام مقرّرین وواعظین اور خطباء کا یہ فرض ہے کہ اپنے بیانات ومواعظ میں سامعین کی رعایت اور موقع محل کا خیال رکھیں اور ان کے طبعی تقاضوں اور مزاج سے واقف ہوں، ورنہ وعظ ونصیحت اپنا اثر کھو دیں گے، کیوں کہ اسلام کی ایک عظیم شان یہ بھی ہے کہ وہ مزاج شناس ہے۔ سماج ومعاشرہ کے حالات اور قوم وافراد کی سہولت وراحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی

کسی چیز کا حکم دیتا ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ ہر روز وعظ و تقریر کرنا عوامی مزاج کے خلاف ہے، ایسی صورت میں کلام کی افادیت اور اثر ورسوخ کا قائم رہنا بہت ہی مشکل ہے۔

واضح رہے کہ یہ حکم وعظ و نصیحت کے لیے ہے، ورنہ جہاں تک تعلیم و تعلم کا مسئلہ ہے تو اس کی نوعیت الگ ہے، کیوں کہ ایسا شخص اسی کے لیے اپنے اوقات کو فارغ کئے ہوئے ہے۔ لہذا تعلیم و تعلم سے وابستہ افراد کا زیادہ سے زیادہ وقت اسی کام میں صرف ہونا چاہیے، اگر ایسا شخص وعظ و نصیحت پر قیاس کرتے ہوئے تعلیمی امور میں کبھی کبھی مشغول ہوتا ہے، یا مدارس کے طلبہ واساتذہ ہفتے میں کچھ ہی دن درس وتدریس کی مجلس منعقد کرتے ہیں، تو قطعا غلط ہوگا، کیوں کہ ایسی صورت میں اوقات کو فارغ کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

چناں چہ اس سلسلے میں اصحابِ صُفّہ کی نظیر ہمارے لیے بہترین نمونہ پیش کررہی ہے، جو تعلیم و تعلم کی غرض سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ کر پڑ گئے تھے اور اسی مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے اپنی پوری زندگی وقف کردی تھی۔ لہذا آپ ان کو نصیحت بھی کرتے تھے، علم کی باتیں بھی بکثرت بتاتے تھے اور خود وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے عادات واخلاق اور دینی ودنیاوی امور میں مشاہدہ بھی کرتے رہتے تھے اور ان سے علم بھی حاصل کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حدیث کے اندر حکمِ

مذکور تعلیم وتعلم کے لیے نہیں ہے، بل کہ صرف وعظ ونصیحت کے لیے ہے۔

صادق قاسمی خیرآبادی
مدرس جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور، سورت گجرات
۳۰/ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ ہجری
بروز جمعہ، بوقت ساڑھے نو بجے دن